یا ایها الذین امنوا اطیعوا الله و اطیعوا الرسول
(القران ۴:۵۹)

مسئلہ

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السّلفی رحمۃ اللہ علیہ

اسلامک پبلشنگ ہاؤس۔ لاہور

قال اللہ تعالیٰ

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ○

ہر آئینہ تو خواہی مرد و ہر آئینہ ایشاں خواہند مرد

(ترجمہ شاہ ولی اللہؒ)

اَلْاَدِلَّةُ الْقَوِیَّة

علیٰ ان

حیوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ لیست بدنیویة

مولانا محمد اسمٰعیل السلفی المرحوم

اسلامک پبلشنگ ہاؤس

قذافی سٹریٹ ۱۷، اردو بازار ، لاہور

نام کتاب : الادلة القویة علی ان حیوة النبی ﷺ فی قبرہ لیست بدنیویة

(مسئلہ حیات النبی ﷺ)

مصنف : فضیلۃ الشیخ محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات : ٦٦

ناشر : اسلامک پبلشنگ ہاؤس-لاہور

ASLIAHLESUNNET.COM

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

کلمۃ الناشر

مولانا محمد اسماعیل السلفی مرحوم جن خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے ان میں سے ایک چیز یہ بھی تھی کہ موصوف وقت کی دینی سرگرمیوں پر گہری نگاہ رکھتے تھے اور دین کے نام سے جو کام بھی شروع ہوتا تھا یا جو علمی تحقیق بھی سامنے آتی تھی آپ اس کے آخری نتائج کا احساس و ادراک کر لیا کرتے تھے چنانچہ وہ انکارِ سنت کا کوئی رجحان ہو یا شرک و بدعت پر مبنی کوئی کارروائی، مولانا کی تیز بین نگاہوں سے مخفی نہ رہتی تھی اور نتیجۃً مرحوم اس کے انسداد کے لیے درس و تدریس، خطبات و تقاریر اور تحریر و انشاء کے ہر محاذ پر سرگرم عمل ہو جایا کرتے تھے۔

زیرِ نظر کتابچہ "مسئلہ حیات النبی"، کی تسوید و تالیف بریلوی مکتبِ فکر اور بعض دیوبندی اکابر کے اس غلط موقف کی تردید میں ہوئی کہ بعد از مرگ انبیاء کی حیات بالکل دنیاوی اور جسمانی حیات ہے۔ مولانا مرحوم اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر اس غلط موقف کی تردید نہ کی گئی تو قبوری شریعت کے حاملین خصوصاً بریلوی حضرات کو اپنی مبتدعانہ اور مشرکانہ کارروائیوں کے لیے ایک بنیاد مہیا ہو جائے گی۔ اور مسلکِ توحید و سنت کے صاف و شفاف آئینہ میں بال پڑ جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ مولاناؒ نے نہایت سنجیدہ طرزِ تحریر اختیار فرماتے ہوئے محکم علمی دلائل کے ساتھ اس غلط نظریہ کی تردید میں قلم اٹھایا اور حق یہ ہے کہ نفس موضوع کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ یہاں تک کہ مخالف و موافق اہلِ علم نے یکساں طور پر مولانا کی تحسین و تائید فرمائی جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے قارئین کرام کو خود معلوم ہو جائے گا۔

"مسئلہ حیات النبی"، کے مندرجات اوّل اوّل مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

طول اللہ حیاتہ" کے مشہور علمی جریدہ رحیق میں شائع ہوئے۔ جس کے لیے ہم مولانا بھوجیانی کے شکر گزار ہیں۔ بعد ازاں اسے کتابی شکل میں اسلامی اکادمی لاہور نے شائع کیا اور اب اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور نے باضابطہ طور پر اس کی اشاعت کی ہے۔ واضح رہے کہ اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور کو مولانا مرحوم کی جملہ کتب کی اشاعت کے قانونی حقوق حاصل ہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مولانا مرحوم کی اس علمی کاوش کو بھی ان کے ثواب آخرت کا ذریعہ بنا دے اور اس کتابچہ کی طباعت و اشاعت کے ضمن میں ہماری مساعی کو بھی قبول فرمائے۔ اور ہمیں نصوص کتاب و سنت کی خالص اور بے آمیز سلفی تعبیر پیش کرنے کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ آمین

لاہور، ۲۰ شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ
۲۳ مئی ۱۹۸۴ء

منیر احمد
مینجنگ ڈائریکٹر
اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور

فہرست عنوانات مہمہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
کلمۃ الناشر	۳		
تقریب	۶	علامہ آلوسی حنفیؒ کی تصریحات	۳۰
اصلاحی تحریکات کا مدوجزر	۸	پیش کردہ احادیث پر ایک نظر	۳۳
ہندوستان کی تحریک تجدید	۸	عقیدۂ حیات اور اس کے نتائج	۴۰
تحریک کا مزاج	۹	مندرجہ رسالہ حیات النبیؐ پر ایک سرسری نظر۔	۴۳
دیوبندی اور اہل حدیث	۱۰		
شاہ ولی اللہ صاحب کا مقام	۱۳	بریلوی علم کلام	۴۵
مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۴	اخوان دیوبند	۴۶
صورت تصفیہ	۱۴	چند شبہات کا حل	۵۰
شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ	۱۴	حیات النبیؐ اور اہل حدیث	۵۲
مخالف توحید تحریک کی ناکامی	۱۶	مسئلہ حیات النبیؐ پر ایک سوال اور "مدیر تجلی" دیوبند کا تحقیقی جواب	۶۰
محل نزاع	۱۸		
بریلوی عقیدہ اور دیوبندیوں کی بریلویوں سے ہم نوائی	۱۹	رحیق بہترین علمی مجلہ ہے۔	۶۰
غور و فکر کے لیے چند گذارشات	۲۰	مولانا قاسمؒ معصوم نہیں تھے۔	۶۲
انبیاءؑ کی حیات دنیوی اہل بدعت کا مذہب ہے	۲۳	کل کا دیوبند اور آج کا دیوبند	۶۳
کیا موت انبیاءؑ کیلئے موجب توہین ہے؟	۲۳	الزام توہین رسولؐ کا جواب	۶۵
عنوان سے حقیقت نہیں بدلتی۔	۲۵	مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ کا درست تجزیہ۔	۶۵
خاں صاحب کی طویل آن۔	۲۶		
حیات شہداء کی تحقیق۔	۲۶		
شاہ عبدالعزیزؒ کی تحقیق	۲۹		

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

الحمد للہ کبیرا واشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمدا عبدہٗ و رسولہٗ۔ ارسلہٗ بالحق بشیرًا ونذیرًا وصلی اللہ علیہ والہٖ وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرا ط

امّابعد

کچھ عرصہ ہوا ایک موحد عالم نے ملتان میں توحید کے موضوع پر تقریر فرمائی جو عوام اور خواص میں پسند کی گئی۔ مگر ان کے حلقے کے بعض حضرات نے عقیدہ توحید میں استواری کے باوجود اس تقریر کے بعض حصوں پر اعتراض کیا اور اُسے ناپسند کیا اور کوشش کی گئی کہ تقریر کے اثرات کو کم یا زائل کیا جائے۔

مقرر نے توحید کے موضوع پر بیان فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کا ذکر فرمایا اور جو لوگ آپؐ کو اپنی طرح زندہ سمجھتے ہیں ان کے خیالات پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی "دنیوی زندگی" ہو تو صحابہؓ نے آپ کو زندہ سمجھتے ہوئے کیسے دفن کیا۔ کیونکہ ناممکن ہے کہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرح زندہ سمجھیں اور زمین میں دفن کیسے رکھیں۔ (یہ مفہوم ہے ممکن ہے کہ الفاظ میں فرق ہو)

چونکہ یہ مخالفت با اثر اہل علم حضرات کی طرف سے تھی۔ اور یہ حضرات بھی دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے اس لیے اس کا اثر پاکستان میں دوسرے مقامات پر بھی ہوا اور کوشش ہوئی کہ اس قسم کے صاف گو مبلغین کا مقاطعہ کیا جائے۔ بلکہ اس کا اثر ہندوستان بھی پہنچا۔ چنانچہ ماہنامہ "دار العلوم" دیوبند میں ایک مضمون مولانا زاہد الحسینی کے قلم سے اور ایک تعارفی نوٹ مولانا سید محمد انظر صاحب کے قلم سے شائع ہوا۔ مگر دونوں مضامین میں کوئی جدت نہیں۔ حیات انبیاء کے متعلق وہی بریلوی نقطہ نظر ہے جسے پھیلا دیا گیا ہے۔ دلائل کا انداز بھی جو عموماً بریلوی حضرات کی تحریرات میں ہوتا ہے وہرا دیا گیا ہے۔ اس قدرتی فرق کے ساتھ کہ نفس مسئلہ کی تفصیل ہے۔ ذاتیات میں الجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اہل علم سے یہی امید ہونی چاہیئے۔ دلائل میں کوئی خوبی ہو یا نہ ہو لیکن مضمون

کے ڈانڈے پاکستان سے ملتے ہیں پھر اس کی اشاعت دیوبندی مکتب فکر کی مرکزی درس گاہ کے مجلہ میں ہوئی ہے۔

مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کے دانش مندوں نے مقامی مصالح کی بنا پر مرکزی اکابر کو استعمال فرمایا ہے اور وہ حضرات بلا تحقیق و تبیین استعمال ہو گئے ہیں۔ اس اختلاف سے بریلوی مکتب فکر جو فائدہ اٹھا رہا ہے اس کی اصلاح کے لیے مسئلہ کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ راقم الحروف مولانا محمد انظر اور مولانا زاہد الحسینی سے ذاتی طور پر نا آشنا ہے اس لیے اس جسارت پر معافی چاہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بحث مسئلہ کی حد سے تجاوز نہیں کرے گی۔ وما توفیقی الا باللہ۔

پاکستان کی تشکیل کے بعد بریلویت نے جس طرح انگڑائیاں لینا شروع کی ہیں۔ اور قادیانیت اور رفض کو جس طرح فروغ ہو رہا ہے۔ اس کے اثرات اور اہل توحید مبلغین کی مشکلات میں جس قدر اضافہ ہو رہا ہے اور ان میں دن بدن ترقی کی جو رفتار ہے اسے شائد ہندوستان کے اکابر نہ سمجھ سکیں۔ پاکستان کے دیوبندی اکابرین جن مصالح اور مقتضیات وقت میں روز بروز گرفتار ہو رہے ہیں۔ "پیری مریدی" کے جراثیم جس عجلت سے یہاں اثر انداز ہو رہے ہیں اُسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اس پورے ماحول سے آشنا ہیں۔ احسان ہوتا اگر دور کے حضرات اس میں مداخلت نہ فرماتے ہمیں معلوم ہے کہ حکومت پاکستان کے مزاج اور یہاں کے اہل ہوا کے مزاج میں جس قدر توافق کارفرما ہے اس کا علاج مصلحت اندیشوں سے نہیں ہوگا اور نہ ہی مدارس کی مسندیں اس عوامی فتنہ کا مداوا ہو سکیں گی۔ یہ طویل سفر طے ہونے تک ممکن ہے مریض زندگی کی آخری گھڑیاں شمار کرنے لگے۔

کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

اس مسئلہ کو جو صورت دی جا رہی ہے چونکہ اس سے بہت سی شرکیہ بدعات کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس لیے نامناسب نہ ہوگا اگر اصلاحی تحریک پر اجمالی نظر ڈال لی جائے جو ان بدعات کا قلع قمع کرنے کے لیے وجود میں آئی تھی۔ کیونکہ اس سے مسئلہ کا پس منظر سمجھنے میں مدد مل سکے گی گو اس طرح قدرے طوالت ضرور ہو گئی ہے۔

اصلاحی تحریکات کا مدّوجزر

گیارہویں صدی ہجری کے آغاز سے تیرہویں صدی تک طاغوتی طاقتیں گو کافی مضبوط تھیں مگر خدا تعالیٰ کی رحمت کی تابانیاں بھی نصف النہار پر رہیں، اس اثنا میں اللہ تعالیٰ نے مصلحین کی ایک باوقار جماعت کو حوصلہ دیا اور کام کا موقع مہیّا فرمایا۔ مصلحین کے پُرشکوہ اور فعال گروہ اطراف عالم میں نمودار ہوئے۔ فتح و شکست کے اثرات اور نتائج گو مختلف ہیں لیکن مقامِ شکر ہے کہ ان حضرات کے صبر و عزیمت نے دنیا میں گہرے نقوش اور نہ مٹنے والے آثار آنے والوں کے لیے چھوڑے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کا احسان ہے۔ وفی ذٰلك فليتنافس المتنافسون۔ط ۔ نجد میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ اور سعودی خاندان، ایران، افغانستان، مصر اور شام میں جمال الدین افغانی رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان اور تلامذہ، ان تمام مصلحین نے اپنے ماحول کے مطابق اپنے حلقوں میں کام کیا۔ اور اپنی مساعی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی عطا فرمائی۔ محمد بن عبدالوہابؒ علمی اور سیاسی طور پر کامیاب ہوئے۔ جمال الدین افغانیؒ نے ایسے قابل و مخلص دماغوں کو تربیت دی جن کی وجہ سے مصر و شام علم و اصلاح کا گہوارہ قرار پایا۔ اور ان کے فیوض نے ذہنوں کی کایا پلٹ دی۔ ان حضرات کی کوششوں نے یورپ کے مادی منصوبوں کے سامنے ایسی دیواریں کھڑی کر دیں جن کو عبور کرنا ایسی طاقتوں کے لیے آسان نہیں مصر و شام کی آزادی اور دینی تحریکات میں اُن مساعی کو بہت بڑا دخل ہے جن کا آغاز مجدّد وقت شیخ جمال الدین افغانیؒ اور سیّد عبدہٗؒ نے فرمایا۔ اور اس کی تکمیل میں سید رشید رضا، علامہ مراغی، سعد زاغلول اور امیر شکیب ارسلان ایسے بیدار مغز لوگوں نے شب و روز محنت فرمائی اور کافی حد تک ان کو کامیابی ہوئی۔

ہندوستان کی تحریکِ تجدید

ہندوستان کی تحریک احیاء و تجدید جس کی ابتداء حضرت سید احمد سرہندی نے فرمائی۔ اور اس کی تکمیل شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے فرمائی۔ ابتدا میں علمی اور اصلاحی تھی۔ علماءِ سوء اور انگریز کے منحوس وفاق نے اسے مجبورًا سیاست میں دھکیل دیا۔ سکھوں کی حماقت نے اتقیاء کی اس جماعت کو مجبور کر دیا کہ وہ جنگ کی آگ میں کود یں اور اپنی قیمتی زندگیاں حق کی راہ میں قربان کریں پھر گمراہ کن فتووں کی سیاہی نے ملت کے

چہرے کو اس قدر بدنما کر دیا تھا کہ اُسے دھونے کے لیے شہادت کے خون کے علاوہ پانی کے تمام ذخیرے بیکار ہو چکے تھے۔ وہابیّت کی تہمتِ مستعار نے ذہن ماؤف کر دیے تھے۔ الحاد کا گردان پر اس قدر جم چکا تھا کہ اسے صاف کرنے کے لیے صرف شہداء کا خون ہی کارآمد ہو سکتا تھا۔

چنانچہ مئی ۱۸۳۱ء کی صبح کو یہ مقدس جماعت انتہائی کوشش اور ممکن تیاری کے ساتھ بالاکوٹ کے میدان میں اتری اور دوپہر سے پہلے صداقت کے نہ مٹنے والے نشان دنیا کی پیشانی پر ثبت کرنے کے بعد ہمیشہ کی نیند سو گئی۔ ولاتقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات بل احياء ولكن لا تشعرون ۵ ط

تحریک کا مزاج

پیشِ نظر مسئلہ کے متعلق بحث و نظر سے پہلے ضروری ہے کہ اس تحریک کا مزاج سمجھ لیا جائے۔ حضرت مجدّد رحمۃ اللہ علیہ سے شاہ ولی اللہ کے ابناءِ کرام تک یہ تمام مصلحین عظام ظاہری اعمال میں عمومًا حنفی فقہ کے پابند تھے لیکن ذہنی طور پر تین مقاصد کی تکمیل ان کا مطمحِ نظر تھا۔

۱۔ تصوف کے غلو آمیز مزاج میں اعتدال

۲۔ فقہی اور اعتقادی جمود کی اصلاح اور اشعریت اور ماتریدیت کیساتھ فقہ العراق نے تحقیق و استنباط کی راہ میں جو مشکلات پیدا کی تھیں انہیں دور کیا جائے اور نظر و فکر کی روانی میں جمود و سکون سے جو رکاوٹ نمایاں ہو چکی تھی اسے یکسر اٹھا دیا جائے۔ قرآن و سنت اور آئمہ سلف کے معیار پر نظر و فکر کو آزادی بخشی جائے۔

۳۔ بے عملی اور بدعملی نے چند بدعات کو جو سنت کا نعم البدل تصوّر کر لیا تھا اور بہت بت پرست قوموں کے پڑوس اور مغل بادشاہوں کی عیاشیوں نے ان بدعات کو نجات کا آخری سہارا قرار دے لیا تھا۔ اس ساری صورتِ حال کو بدل کر اس کی جگہ سیدھے سادے اسلام کو دی جائے۔ تركتكم على ملة بيضاء ليلها كنهارها۔ میں آپ کو اس کی تفصیل میں نہیں لے جاؤں گا نہ ہی اپنی تائید میں ان کی تصانیف سے اقتباسات پیش کر کے آپ کا وقت ضائع کروں گا۔ صرف چند امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ حضرت مجدّدؒ نے مکتوبات میں بدعات کے خلاف کس قدر کڑی تنقید فرمائی ہے۔ بدعت کی حفاظت کے لیے حسنہ اور سیئہ کی تقسیم اہل بدعت کو قلعہ کا کام دے رہی

تھی اور عزبن عبدالسلام نے جب اس تقسیم کی نشاندہی کی تھی اس کے بعد سے ہندوستان میں حضرت مجددؒ ہی تھے جنہوں نے یہ قلعہ پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

سجدۂ تعظیم کے خلاف گوالیار کے قلعہ میں تین سال قید گوارا فرمائی۔ لیکن سجدہ تعظیم کی گندگی سے اپنی مقدس پیشانی کو آلودہ نہیں فرمایا۔ فقہی مسائل میں حضرت کے کچھ اختیارات تھے۔ دوسرے علماء کی مخالفت کے باوجود حضرت مجددؒ اپنی الگ راہ پر قائم رہے۔ حنفی مسلک کے ساتھ وابستگی کے باوجود متاخرین اور متقدمین کی راہ پر رجماً بالغیب چلنے سے حضرت مجددؒ نے انکار فرمایا۔

اس کی زندہ شہادت حضرت کے مایۂ ناز شاگرد مرزا مظہر جان جاناں موجود ہیں جنہوں نے فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین عند الرکوع، وضع الیدین علی الصدر ایسے مشہور مسائل میں فقہائے محدثین کی راہ اختیار فرمائی۔ اور فقہ العراق کے ساتھ کلی تعاون سے انکار فرمادیا (ابجد العلوم صنہ ۹۰۰ جلد ۳ محبوب العارفین ص۷۶)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا مظہر جان جاناںؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ فرمایا۔ ان کی تصانیف ارشاد الطالبین اور تفسیر مظہری شاہد ہیں کہ حنفی ہونے کے باوجود بدعات اور عبّاد قبور کے خلاف ان کا لہجہ کس قدر تلخ ہے اور بدعی رسوم سے انہیں کس قدر نفرت! شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ، البلاغ المبین، مصفیٰ اور مسوّی، انصاف، عقد الجید اور تحفۃ الموحدین میں فقہی جمود، بدعات اور مشرکانہ رسوم کے خلاف ایسی حکیمانہ روش اختیار فرمائی جس سے حقیقت بہت حد تک واضح ہوگئی۔ اصول فقہ کے بعض مسلّمات پر ایسی میٹھی تنقید فرمائی جس سے ذہین طبائع کو جرأت پیدا ہو۔

ازالۃ الخفاء میں بدعت تشیع کو اس قدر عریاں فرمایا کہ ذہین اور دانش مند طبائع کو محبت اہل بیت کے عنوان سے دھوکا دینے کی کوئی گنجائش نہ رہی۔

ان مختصر ارشادات سے اس تحریک اصلاح اور اقامت دین کا مزاج آپ کو سمجھنا مشکل نہیں۔

دیوبندی اور اہل حدیث

یہ دونوں مکتب فکری طور پر اسی تحریک کے ترجمان ہیں یا کم از کم مدعی ہیں کہ ہم اس تحریک کے ساتھ وابستہ ہیں۔ شاہ صاحب کے مندرجہ ذیل گرامی قدر ارشاد سے یہ حقیقت اور بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اس تحریک کا مزاج کیا ہے

" وصیت اول ایں فقیر چنگ زدن است بکتاب وسنت و در اعتقاد وعمل پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن اگر طاقت خواندن نہ دارد، ترجمۂ ورقے از ہر دو شنیدن و در عقائد مذہب قدماء اہل سنت اختیار کردن و از تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نہ کردہ اند اعراض نمودن و بتشکیکات معقولیان خام التفات نہ کردن۔ و در فروع پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و دائماً تفریعات فقہیہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائے بدبریش خاوند دادن۔ امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغناء حاصل نیست وسخن متقشفہ فقہاء کہ تقلید عالمے را دستاویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نہ شنیدن و بدیشاں التفات نہ کردن و قربت خدا جستن بدوری ایناں" الخ (تفہیمات جلد ۲ صنہ ۲۴۰)

ترجمہ:- فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد اور عمل میں کتاب وسنت کی پابندی کی جائے اور ان دونوں سے شغل رکھے اور پڑھے اور اگر نہ پڑھ سکے تو ایک ورق کا ترجمہ سنے۔ عقائد میں متقدمین اہل سنت کی پیروی کرے۔ سلف نے جن چیزوں کی تفتیش نہیں کی ان کی تفتیش نہ کرے اور خام کار فلاسفہ کی پروا نہ کرے۔ فروع میں آئمہ حدیث کی پیروی کرے جن کی فقہ اور حدیث دونوں پر نظر ہو۔ فقہ کے فروعی مسائل کو ہمیشہ کتاب وسنت پر پیش کرتا رہے۔ جو موافق ہوں ان کو قبول کرے باقی کو رد کردے۔ امت کو اپنے اجتہادی مسائل کتاب وسنت پر پیش کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ متقشف فقہا کی بات قطعاً نہ سنے۔ جن لوگوں نے اہل علم کی تقلید کر کے کتاب وسنت کو ترک کر دیا ہے ان کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے، ان سے دور رہ کر خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔

اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

" نسبت ہائے صوفیہ غنیمت کبریٰ است و رسوم ایشاں بہ ہیچ نمے ارزد ایں سخن بر بسیارے گراں خواہد بود اما مرا کارے فرمودہ اند و برحسب آں باید گفت بر گفتہ زید و عمر

تعرض نمے باید کرد۔" (ص ۲۴۲ جلد ۲ تفہیمات)

صوفیوں سے نسبت غنیمت ہے لیکن ان کی رسوم بالکل بے کار ہیں یہ بات اکثر لوگوں کو ناگوار ہوگی۔ مگر مجھے جو فرمایا گیا ہے وہی کہنا ہے۔ زید عمر کی باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔" اھ

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

نحن لا نرضی بھؤلاء الذین یبایعون الناس لیشتروا به ثمنًا قلیلًا او لیشربوا اغراض الدنیا بتعلم علم اذ لا تحصل الدنیا الا بالتشبه باهل الهدایة ولا بالذین یدعون الی انفسهم ویامرون یحب انفسهم هؤلاء قطاع الطریق دجالون کذابون مفتونون فتانون ایاکم وایاهم ولا تتبعوا الا من دعا الی کتاب الله و سنة رسوله" الخ

(تفہیمات جلد ۱ ص ۲۱۴)

مجھے قطعاً یہ لوگ پسند نہیں جو دنیا کمانے کے لیے بیعت کرتے ہیں اور نہ ہی یہ لوگ مجھے پسند ہیں جو دنیوی اغراض کے لیے علم حاصل کریں۔ کیونکہ دنیا حاصل کرنے کے لیے نیکوں کے ساتھ تشبیہ ضروری سمجھتے ہیں۔ نہ ہی وہ لوگ مجھے پسند ہیں جو لوگوں جو لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیں۔ یہ لوگ ڈاکو اور دجال ہیں خود فتنے ہی میں مبتلا ہیں اور لوگوں کو اس میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں، صرف ان لوگوں کا اتباع کرنا چاہیئے جو کتاب وسنت کی طرف دعوت دیں" ظاہر ہے کہ شاہ صاحب ریاکارانہ تصوف اور دنیا کمانے کے لیے بیعت کے سلسلوں کو قطعاً پسند نہ فرماتے بلکہ ایسے لوگوں کو دجال ڈاکو اور فتنہ انگیز سمجھتے ہیں۔ آج کے خانقاہی نظام اور پیر پرستی کے اداروں کی شاہ صاحب کی نظر میں کیا آبرو ہوسکتی ہے۔ وہ سرے سے پیر پرستی کی دعوت ہی کو ناپسند فرماتے ہیں۔

مروّجہ فقہی مسالک اور ان پر جمود کے متعلق شاہ صاحب کی مزید وضاحت۔

رب انسان منکم یبلغه حدیث من احادیث نبیکم فلا یعمل به ویقول انما عملی علی مذهب فلان لا علی الحدیث ثم احتال بان فهم الحدیث والقضاء به من شان الکمل المهرة وان ائمة لم یکونوا ممن یخفی علیهم هذا الحدیث فما ترکوه الا لوجه ظهر لهم فی الدین من نسخ او مرجوحیة۔ الخ

(تفہیمات ص ۲۱۴، ص ۲۱۵ جلد ۱)

بہت سے لوگوں کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث معلوم ہوجاتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ وہ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ فلاں شخص کے مذہب پر میرا عمل ہے۔ حدیث سمجھنا معمولی آدمی کا کام نہیں۔ امام اس حدیث سے بے خبر نہیں تھے۔ یہ حدیث منسوخ ہوگی یا مرجوح۔ یہ قطعاً درست نہیں۔ اگر پیغمبر پر ایمان ہے تو اس کا اتباع کرنا چاہیئے۔ مذہب اس کے مخالف ہو یا موافق، خدا تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ کتاب وسنت کے ساتھ تعلق رکھا جائے۔

فقہی فروع میں مسلکی جمود شاہ صاحب کو سخت ناپسند ہے اسی طرح وہ ظاہریت محض (امام داؤد ظاہری کا مسلک) کو بھی ناپسند فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اگر حدیث کی صحت ائمہ حدیث کی شہادت سے ثابت ہو اور اہل علم نے اس پر عمل بھی کیا ہو اور اس پر صرف اس لیے عمل نہ کیا جائے کہ فلاں امام نے اس پر عمل نہیں کیا یہ ضلال بعید ہے (ص ۲۰۹ جلد ۱ ص ۲۱۱ جلد ۱)

اس قسم کی تصریحات شاہ صاحب کی باقی تصنیفات میں بھی بکثرت موجود ہیں۔ میں نے یہ طویل سمع خراشی اس لیے کی ہے کہ اس پاکیزہ تحریک کا مزاج معلوم ہوجائے تاکہ اس کے دو صدی کے اثرات کا صحیح اندازہ کیا جاسکے۔

ان مقاصد کے خلاف ان بزرگوں کی تصانیف میں اگر کوئی حوالہ ملے تو اس کا ایسا مطلب نہ لیا جائے جو مقاصد تحریک کے خلاف ہو بلکہ وقتی مصالح پر محمول کیا جائے کیونکہ ان بزرگوں نے جن سنگلاخ حالات میں کام کیا ہے ان کے مصالح اور ان کے مقتضیات بدلتے رہتے ہیں۔ جن مشکلات میں ان حضرات کو کام کرنا پڑا ان مشکلات کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ شکر اللہ سعیهم

شاہ صاحب کا مقام:۔ اس تحریک میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسا برزخ

ہیں کہ حضرت مجددؒ اور ان کے ارشد تلامذہ کی علمی اور عملی مساعی سے شاہ صاحب نے پورا پورا اثر لیا اور شاہ صاحب نے اپنے بناؤ و اخفاد اور تلامذہ کو ان برکات سے علمی اور عملی استفادہ کا موقع دیا ہے۔ اس لیے میں نے شاہ صاحب کے ارشاد کو کسی قدر تفصیل سے عرض کرنا مناسب سمجھا نیز متنازعہ فیہ مسئلہ میں مجلہ "دار العلوم" کے مضمون نگار حضرات نے

مسئلہ حیاتِ نبوی

جو کچھ فرمایا ہے اس میں حیاتِ دنیوی کی صراحت شیخ عبد الحق صاحب کے بعد صرف اکابر دیوبند ہی نے فرمائی ہے۔ ہاں شاہ عبد الحق سے پہلے حافظ بیہقیؒ اور سیوطیؒ نے اس موضوع پر مختلف رسائل لکھے ہیں۔ مگر افسوس موضوع صاف نہیں فرما سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ان حضرات نے اس قسم کا ذخیرہ جمع فرمایا ہے جس کے متعلق ان کے ذہن بھی صاف نہیں کہ وہ حیات ثابت فرمانا چاہتے ہیں لیکن اس کی نوع متعین نہیں فرماتے۔ حافظ سیوطیؒ کے رسالہ میں سبکی کے سوا حیاتِ دنیوی کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ بلکہ حافظ سیوطیؒ کا رجحان بعض مواقع میں حیاتِ برزخی کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ حافظ سیوطیؒ انتہائی کوشش کے باوجود آیت انک میت وانھم میتون ﴿۔ (سورہ زمر) اور حدیث فیرد اللہ علی روحی۔ اور حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ میں تعارض نہیں اٹھا سکے بلکہ حافظ سیوطیؒ نے تو حاطب لیل کی طرح ایک غیر موثق ذخیرہ جمع فرما دیا ہے۔ جس سے حضرات قبوریین کو مدد ملے گی اور سادہ دل اہل توحید کے دل شبہات سے لبریز ہوں گے۔ قریباً یہی حال حافظ ابن القیم کی کتاب الروح کا ہے۔ فحول اہلحدیث اور ماہرین حال کو تو کوئی خطرہ نہیں لیکن عوام کے لیے یہ مورد مزلۂ اقدام ہے۔

صورتِ تصفیہ

اس لیے تصفیہ کی صحیح صورت یہی ہو سکتی ہے کہ تحریک کے مزاج کی روشنی میں شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والے اور اس خاندان کے عقیدت مند مسئلہ سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر اکابر ہی کی اقتداء اور تقلید سے اس مسئلہ کو سمجھنا ہے۔ کتاب و سنت اور بحث و استدلال سے صرفِ نظر ہی کا فیصلہ فرما لیا گیا ہے تو پھر اکابر کے اکابر اور بانیان تحریک کے نظریات سے کیوں استفادہ نہ کیا جائے؟ مولانا حسین احمد مرحوم اور حضرت مولانا نانوتوی مرحوم کی رائے فیصلہ کن ہے تو بانیان تحریک اور تحریک کے مدارج کو حکم کیوں نہ مان لیا جائے؟"

شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ

مولانا شاہ محمد اسماعیلؒ کی شہادت اور عبقریت نے پوری

تحریک کو نظریات اور تصورات کی دنیا سے عمل کے میدان میں لا کھڑا کر دیا۔ اشارات اور تعریضات کو تصریحات سے بدلا۔ جو کچھ کتابوں کے اوراق کی زینت تھا اسے بالاکوٹ کے میدان میں علی راس التمام رکھ دیا گیا۔ سکھوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بتایا کہ حق و صداقت، ایثار و قربانی کے جوہر، مناظرات اور مکالمات ہی سے ظاہر نہیں ہوتے۔ ان کے ظہور کا بہت بڑا ذریعہ تلوار اور میدان جنگ ہی ہے۔ قلم کی دوز بانوں اور دوات کی روشنائی سے جو کچھ کیا جا سکتا تھا۔ اس سے کہیں زیادہ قوتِ گویائی خون کے چھینٹوں میں ہے۔ اس لیے گلرنگ قطرات ہزاروں زبانوں پر تالے ڈال سکتے ہیں اور وہ برسوں گنگ ہو سکتی ہیں اور سینکڑوں دلوں سے تالے اتار کر انہیں فہم و فراست عطا کی جا سکتی ہے لیکن یہ کام اصحاب التدریس اور ارباب التصانیف کا نہیں۔ یہ وہ لوگ کریں گے جو کاغذ اور دوات قلم اور روشنائی کے علاوہ سیف و سنان سے نہ صرف واقف ہوں بلکہ انہیں آلات حرب سے گہرا تعارف ہو! ؏

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔

حضرت شہیدؒ نے تحریک کے مقاصد کی اشاعت کے لیے شہادت سے پہلے تقویۃ الایمان لکھی اور ساتھیوں کے مشورہ کے بعد اسے شائع فرمایا۔ تذکیر الاخوان کا مسودہ لکھا۔ معترضین کے جوابات لکھے اور یہ سب کچھ تحریک کی تائید اور اس کے مقاصد کی روشنی میں تھا۔ آج اگر اکابر دیوبند اور علماء اہل حدیث کوئی ایسی چیزیں فرمائیں جو تحریک کے مزاج سے متصادم ہوں تو اُسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

تیسرا ہنگامہ

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک نے احیائے سنت اور تجدید مآثر دین کی راہ میں جہاں عظیم الشان قربانیاں پیش کیں۔ وہاں ایک تحریک اس کے بالمقابل شروع ہوئی جس نے بدعات کے جواز میں دلائل کی تلاش کی۔ اور عوام کی بدعملی کے لیے وجہ جواز پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بدعت ہر زمانہ میں رہی، حالات کے ماتحت اس کی مختلف صورتیں بنتی اور بگڑتی رہیں۔ بدعت کا وجود کبھی منظم طور پر موجود رہا۔ مغل حکومت میں بدعت عام تھی لیکن بظاہر غیر منظم اسے ترجمانی کے لیے علماء کی باقاعدہ خدمات میسّر نہ آ سکیں۔

مغل زوال کے بعد سکھ، مرہٹے، انگریز، اہل توحید سب نے اقتدار پر قبضہ کرنے کی کوشش

کی۔ موحدین کے لشکر کی سیاسی شکست نے اہل بدعت پر سکتہ طاری کر دیا۔ لیکن باطل نے اقتدار کی زمام سنبھال لی۔ ۱۸۵۷ء کے معرکہ حریت میں اسے محسوس ہوا کہ علماء کی خدمات کے بغیر اقتدار پر قبضہ کرنا اور مسلمانوں کو مطمئن کرنا مشکل ہے۔ جو بندہ یا بندہ اسے کچھ "اہل علم" میسر آ گئے۔ جن سے انگریز کا کام چل نکلا۔ تحریکِ توحید کی سرپرستی رائے بریلی کے ایک فقیر نے فرمائی تھی۔ شرک و بدعت کی سرپرستی بانس بریلی کے ایک خاندان کے حصہ میں آئی۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوتے۔ خاندان میں پڑھنے پڑھانے کا چرچا موجود تھا۔ سنِ رشد کو پہنچے۔ بقول موصوف ان کے والد مولانا نقی علی خاں نے اپنے ہونہار فرزند کو ۱۲۸۶ء میں مسندِ افتاء پر بٹھا دیا۔ خاں صاحب نے مسند سنبھالتے ہی بدعت کی تائید اور شرک کی حمایت شروع فرمائی۔

شرک کو مدلل اور اہل بدعت کو منظم کرنے کیلیے موصوف نے اپنے اوقاتِ عزیزہ وقف فرما دیے کوشش فرمائی کہ عوام میں جس قدر بدعملی اور بدعی رسوم موجود ہیں ان سب کو سندِ جواز عطا فرمائی جائے عوام کو معاصی پر جرأت دلائی جائے اور کوشش کی جائے کہ ہر ہر بدعت جائز قرار پا جائے۔ خان صاحب کی چھوٹی موٹی تصانیف کو دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مقصد فی سبیل اللہ فساد کے سوا کچھ نہیں۔ ان تصانیف میں کوئی ایسی کتاب نہیں جس سے مسلمانوں کی دینی معاشی یا سیاسی زندگی میں تبدیلی نمایاں ہو سکے۔ خان صاحب نے مدت العمر کسی سیاسی یا علمی تحریک میں حصہ نہیں لیا۔ البتہ ہزاروں مسلمان جن کے علم اور قلم کے زور سے کافر قرار پاتے اور ان ساری کوششوں میں انگریز کا دستِ شفقت خان صاحب کو سہارا دیتا رہا۔

مخالفِ توحید تحریک کی ناکامی

حقیقت یہ ہے کہ رضاخانی تحریک کا براہ راست مقابلہ کتاب و سنت سے اور اس کی جنگ مجاہدِ اسلام اور شہدائے حق سے تھی۔ ان کی تکفیر کا نشانہ شہدائے بالاکوٹ تھے۔ ان لوگوں کا "خوش گوار" مشغلہ صرف تقویۃ الایمان، نصیحۃ المسلمین، راہ سنت اور کتاب التوحید ایسی مدلل کتابوں بلکہ قرآن کے بھی بعض بنیادی حصص کی تردید کرنا ہی رہ گیا تھا۔ اور ان کے "مدمقابل" جو لوگ تھے وہ تھے اکابر اللہ، وہ جنہوں نے کتاب و سنت کی اشاعت و تبلیغ اور مسلمانوں میں احیائے جہاد میں اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں۔ ظاہر ہے ان مقدس ہستیوں کی مخالفت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد کہاں مل سکتی

تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من عادی لی ولیاً فقد اٰذنتہ بالحرب۔ (مشکوٰۃ) یعنی جو میرے اولیاء سے دشمنی رکھے میرا اس سے اعلانِ جنگ ہے۔ چنانچہ یہ تحریک حق تعالیٰ کے غضب کی گرفت میں آ گئی جس کے نتیجے میں ان میں چند ایسی خصوصیات پیدا ہو گئیں جن کے ہوتے ہوتے ان حضرات کی کامیابی ناممکن ہے۔

وہ خصوصیات مختصراً ذیل میں معروض ہیں۔

۱۔ اہل حق اور اتقیاء سے بغض۔

۲۔ زبان درازی و بد زبانی۔

۳۔ مسلمانوں کی تکفیر۔

۴۔ بے ضرورت اور بے مقصد مسائل پر زور مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اب بھی دنیوی زندگی حاصل ہے وغیرہ۔

۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و موجود ہیں۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اختیارات اور خصائص اپنے بندوں کو دے دیے ہیں۔ یعنی تمام اولیاء معاذاللہ ...... عطائی وہی خدا ہیں

۷۔ قریباً تمام سیاسی لیڈر اور تمام سیاسی جماعتیں کافر و مرتد ہیں (ملاحظہ ہو فتاویٰ رضویہ ملفوظات منجانب اہل البدعہ وغیرہ و دیگر ارشاداتِ بریلویہ)

واقعات شاہد ہیں کہ یہ لوگ بالکل باطنی فرقہ کے نقشِ قدم پر چل پڑے ہیں اور توحید و سنت کی ترقی سے کچھ بوکھلا سے گئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر بالکل یاس کی حالت طاری ہو گئی ہے اور مولانا محمد اسماعیل شہید قدس اللہ روحہ جیسی ہستی کی بے ادبی کرنے کی سزا ان کو یہ ملی ہے کہ ان کے بزرگوں سے علم سلب کر لیا گیا ہے۔ سمجھ دار اور علماء ان حضرات میں روز بروز کم ہو رہے ہیں۔ جہلاء کے ساتھ ربط، عوام کی شورش و شرارت پسندی کے سوا دنیا میں ان کا کوئی سہارا نہیں، اہل توحید کی مساجد پر قبضے، شرفاء پر قاتلانہ حملے، خانقاہوں کے مجاوروں کی سفارشوں اور رشوتوں سے مقدمات جیتنا ان حضرات کا پاکستان میں عمومی مشغلہ ہے مگر مشترکہ امور میں عوام سے اشتراک، دوسری جماعتوں کے سٹیجوں سے اور معقولیت سے گفتگو کرنے افہام و تفہیم اور نزاعی امور میں اصلاح سے عموماً اس

جماعت کے اکابر پرہیز کرتے ہیں۔ احساس کہتری اور لااساس کے مرض میں عموماً یہ لوگ مبتلا ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اصلاح ذات البین کی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ مختلف الخیال جماعتیں مل کر اپنے تنازعات کا منصفانہ فیصلہ کرسکیں۔ لیکن اسکا کیا کیا جائے کہ باطنی فرقہ کی طرح یہ حضرات فسادات کو سرمایہ حیات سمجھتے ہیں۔

محلِ نزاع

اس موضوع پر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے آج تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں محلِ نزاع کا تعین نہیں فرمایا گیا۔ امام بیہقی نے ائمہ حدیث کی طرح اس موضوع کے متعلق مواد جمع فرمایا ہے۔ حافظ سیوطی نے کتاب الروح اور حیات الانبیاء سے استفادہ بھی فرمایا اور بعض احادیث کی توجیہات بھی کی ہیں۔ حافظ سیوطیؒ نے کتاب الروح سے تو استفادہ فرمایا ہے لیکن معلوم نہیں قصیدہ نونیہ کی طرف ان کی توجہ کیوں مبذول نہیں ہوئی۔ حالانکہ قصیدہ نونیہ میں حافظ ابن القیمؒ نے اس موضوع کو بہت زیادہ منقح فرمایا ہے۔

اہلِ حدیث اور فقہاء

اہل سنت کے دونوں مکاتبِ فکر، اصحاب الرائے و اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں۔ برزخ میں وہ عبادات تسبیح و تہلیل فرماتے ہیں ان کو رزق بھی ان کے حسبِ حال اور حسبِ ضرورت دیا جاتا ہے شہداء کے متعلق حیات کی وضاحت قرآنِ عزیز میں موجود ہے۔ انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں۔ صحیح احادیث میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق عبادت وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ پاکستان میں جو لوگ توحید کا وعظ کہتے ہیں وہ عقائد کی اصلاح کے سلسلے میں مہینوں مسلسل سفر کرتے ہیں۔ انبیاء اور شہداء کی برزخی زندگی اور اس زندگی میں مراتب کے تفاوت کے قائل ہیں ان لوگوں کا عقیدہ بالکل درست ہے۔

جو شخص قبر میں عذاب یا ثواب کو احادیث نبویہ کی روشنی میں مانتا ہو وہ ان صلحاء کے متعلق عدم محض و فقدان صرف کا قائل کیوں ہوگا۔ ہاں مراتب کا فرق یقینی ہے۔ انبیاء کا مقام یقیناً شہداء سے اعلیٰ و ارفع ہونا چاہیئے۔ بحث اس میں ہے کہ آیا یہ زندگی دنیوی زندگی ہے؟ دنیوی زندگی کے لوازم اور تکالیف ان پر عائد ہوتی ہیں۔ قبور میں نماز یا تسبیح برزخی طبیعت کا تقاضا ہے؟ یا شرعی تکلیف کا نتیجہ؟ جو لوگ دنیوی زندگی کے اس معنی سے قائل ہیں ان سے واقعی اختلاف اور آئندہ گذارشات میں مولانا انظر اور مولانا محمد زاہد صاحب کے ارشادات کی چھان پھٹک اسی زندگی کے پیشِ نظر کی گئی ہے۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے جسم اطہر کی سلامتی اور مٹی سے غیر متاثر ہونا اس میں بھی اختلاف نہیں۔ غرض جو کچھ کتاب و سنت میں صراحۃً آیا اور صحیح احادیث اس پر ناطق ہیں اس میں کوئی نزاع نہیں۔

حیات النبیؐ کے متعلق بریلوی عقیدہ

اس معاملہ میں مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی قابلِ شکریہ ہیں۔ انہوں نے موضوع کو وضاحت سے سامنے رکھا ہے دلیل ہو یا نہ ہو لیکن انہوں نے فرمانے میں کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی۔ فرماتے ہیں:۔

فانهم (الانبیاء) صلوات الله تعالیٰ وسلامه علیهم طیبون طاهرون احیاء وامواتا بل لا موت لهم الا آنیا تصدیقا للوعد ثم هم احیاء ابدًا بحیات حقیقیة دنیاویة روحانیة وجسمانیة کما هو معتقد اهل السنة والجماعة (بریلویة) ولذا لا یورثون ویمتنع تزوج نساءهم صلوات الله تعالیٰ وسلامه علیهم بخلاف الشهداء الذین نص الکتاب العزیز انهم احیاء ونهی ان یقال لهم اموات (فتاویٰ رضویة جلد اول ص ۶۱۰)

خان صاحب فرماتے ہیں "انبیاء علیہم السلام پر ایک آن کے لیے موت آتی ہے اس کے بعد روحانی اور جسمانی لحاظ سے ان کو حقیقی زندگی اور ابدی حیات حاصل ہوتی ہے۔ یہ اہل سنت کا عقیدہ ہے (مگر جو اہل سنت ہیں ان کی کتابوں میں نہیں) اسی لیے ان کا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا۔ ازواج کو نکاح ثانی کی اجازت نہیں لیکن شہداء کی زندگی اس کے خلاف ہے ان کا ترکہ بھی تقسیم ہوتا ہے اور بیویاں بھی نکاح کرسکتی ہیں" اور اس قسم کی صراحت خان صاحب نے فتاویٰ رضویہ ص ۶۱۱ میں فرمائی ہے۔

دیوبندیوں کی بریلویوں سے ہم نوائی

مولانا حسین احمد صاحب مرحوم مکاتیب میں فرماتے ہیں "آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیاتِ دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر اھ (ص ۱۳۰ جلد ۱) سنا ہے مولانا نانوتویؒ اور بعض اکابرِ دیوبند بھی اس قسم

کی حیات کے قائل تھے۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی ۱۰۵۲ھ نے بھی مدارج النبوت میں حیاتِ دنیوی کا اعتراف کیا ہے۔ حافظ سیوطیؒ نے سبکیؒ سے بھی اسی قسم کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ لیکن عام فقہا اور محدثین احناف، شوافع، موالک، حنابلہ رحمہم اللہ سے اس قسم کی صراحت منقول نہیں ہوئی۔ حضرات دیوبند سے بھی حضرت مولانا حسین علی مرحوم (واں بھچراں) اور ان کے تلامذہ مولوی نصیر الدین صاحب وغیرہ بھی صراحۃ اس کے خلاف ہیں۔

غور و فکر کے لیے چند گذارشات

(۱) یہ ایسا خیال ہے کہ امت میں گنتی کے دس آدمی بھی نہیں جو اس کی صراحت کرتے ہوں لہٰذا اسے اجتماعی عقیدہ کہنا اہل علم کے لیے مناسب نہیں۔

۲۔ اسے متواتر کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ تواتر کی کوئی شرط بھی اس میں نہیں پائی جاتی۔ کم از کم تواتر میں حواس کا ادراک لازمی ہونا چاہیے۔ قرآن جس زندگی کو خارج از شعور فرما رہا ہے وہاں حواس اور اس کے استعمال اور ادراک کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے۔

۳۔ جس اصلاحی تحریک کے ساتھ تعلق کی بنا پر آپ حضرات کو وہابیت کا سرخاب لگایا گیا۔ اس کے مزاج میں توسع موتیٰ کی بھی گنجائش معلوم نہیں ہوتی، حیاتِ دنیوی اس میں کہاں سجے گی۔ مرحوم مولانا حسین علی صاحب (واں بھچراں) اور پوری جماعت اہل حدیث نے کتاب و سنت اور اس مقدس تحریک کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے ان "الہامی" اوہام کا انکار کر دیا ہے ؎

وکانت دلیلی فی صعود من الطوی　　فلما توافینا ثلث فزلت

۴۔ خاں صاحب بریلوی اور مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے انبیاءؑ کی حیات کو شہداء کی منصوصی حیات سے ممتاز فرمایا ہے کہ انبیاء کی حیات اقویٰ ہے مگر اس طرح شہداء کو مقیس علیہ قرار دے کر انبیاء کی حیات کو ثابت کرنا درست نہ ہوگا۔ اقویٰ کو اضعف پر قیاس کرنا اصول کی تصریحات کے خلاف ہے۔

۵۔ انبیاء کے ترکہ کی تقسیم اور نکاح ازواج کی حرمت کی علّت اگر واقعی دنیوی زندگی ہے تو اس کا حکم شہداء کی آواز اور ترکہ کے متعلق بھی یہی ہونا چاہیے۔ خاں صاحب اور مولانا نے اس میں خلاف کی صراحت فرمائی ہے۔ اس لیے حیاتِ انبیاء کے لیے سورۂ بقرہ اور آلِ عمران کی آیات کو اساسی

نہیں قرار دینا چاہیے۔

۶۔ ایسے اوہام کو عقیدہ کہنا بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کتبِ عقائد (شرح عقائد نسفی، عقیدہ طحاویہ، شرح العقیدہ الاصفہانیہ، عقیدہ صابونیہ وغیرہ) میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ کتب عقائد کے سارے مشمولات کے مستقل عقیدہ کی حیثیت بھی محل نظر ہے۔ عقیدہ کے لیے حسب تصریح متکلمین واشاعرہ وماتریدیہ قطعی دلائل کی ضرورت ہے۔ حیاتِ انبیاءؑ کی احادیث اسناد کے لحاظ سے اخبار احاد صحیحہ سے بھی فروتر ہیں۔ کما لا یخفی علی من لہ نظر فی فن الرجال۔

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت بعض امہات المومنین کی عمر بہت کم تھی۔ خاں صاحب بریلوی نے اہل اللہ کی حیاتِ دنیوی کے ساتھ شب باشی کا راستہ بھی کھول دیا (ملفوظات جلد ۳ ص ۳۶) (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اکابرِ دیوبند صرف زندگی کے قائل ہیں اور خیال فرماتے ہیں کہ عقلاً زندگانی کافی ہے۔ حالانکہ حقوق زوجیت کے لیے صرف حیات کافی نہیں۔ کیا اس قسم کے بھونڈے استدلال سے پرہیز ہی زیادہ مناسب نہ تھا؟

۸۔ موت کی پوری حقیقت تو معلوم نہیں بظاہر فوت جسم اور روح کے انفصال کا نام ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس پر شریعت نے عدت اور تقسیم ترکہ کے احکام مرتب فرمائے ہیں۔ اہل سنت موت کے جسم اور روح کے غیر شعوری تعلق کو مانتے ہیں۔ عدم محض اور کلی فقدان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے مولانا محمد زاہد صاحب کے ارشادات کا آخری حصہ بالکل بے ضرورت ہے۔ پاکستان کے اہل توحید انبیاء علیہم السلام کے متعلق موت کی کسی نئی قسم کے قائل نہیں۔

۹۔ دنیوی زندگی ماننے سے کوئی عقلی مشکل تو قطعاً حل نہیں ہوگی البتہ بیسیوں مشکلات اور سامنے آجائیں گی جن کا حل کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

عقل مند آپ سے دریافت کریں گے کہ زندہ نبی کو دیوار کی اوٹ میں چھپانے میں کیا حکمت ہے اور اس سے کیا حاصل؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت پر کیسے تشریف رکھی؟ حضرت فاطمہؓ نے ترکہ کیوں طلب کیا۔ کیا ان کو معلوم نہ تھا کہ والد کی زندگی میں یہ مطالبہ درست ہی نہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حدیث نحن معاشر الانبیاء فرما کر ان کو مطمئن فرمایا۔ یہ کیوں نہ فرمایا کہ مطالبہ قبل از وقت ہے فلتۂ ارتداد

اور بعض دوسرے مصائب میں نہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع نہ کیا۔ حالانکہ زندگی میں بوقت ضرورت دونوں ایک دوسرے کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ حافظ ابن القیمؒ کیا خوب فرماتے ہیں۔

لو کان حیا فی الضریح حیاته — قبل الممات بغیر ما فرقان

ما کان تحت الارض بل من فوقها — واللہ ھذی سنة الرحمان

اتراہ تحت الارض حیا ثم لا — یفتیھم بشرائع الایمان

ویریح امته من الآراء و — الخلف العظیم وسائر البھتان

ام کان حیا عاجزا عن نطقه — وعن الجواب لسائل لھفان

وعن الحراک فما الحیاة اللات قد — اثبتموھا اوضحوا ببیان

(قصیدہ نونیہ ص۱۳۱ طبع مصر)

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی دنیوی ہے تو زمین کے نیچے کی بجائے عادت کے مطابق زمین کے اوپر رہنا چاہیئے۔ آپؐ زمین کے نیچے زندہ ہوں اور فتویٰ نہ دیں۔ صحابہؓ کو اختلاف اور ان پر بہتان سے نہ بچائیں۔ اگر زندہ ہوتے تو سوال کا جواب دیتے۔ نیز اگر حرکت کرنے سے عاجز ہیں تو پھر زندگی نہ رہی جسے آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

دنیوی زندگی ماننے کی صورت میں اس قسم کے سینکڑوں عقلی سوال آپ پر عائد ہوں گے اور اسلامی تاریخ ایک معمہ ہو کر رہ جائے گی۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت، حضرت حسنؓ کی صلح مختار بن عبید ثقفی کی عیاریاں، حرہ کا فتنہ، مسیلمہ اور اسود کی نبوت، حجاج بن یوسف کے مظالم، عباسی انقلاب، سقوط بغداد اور ترکوں کے مظالم، قادیانی نبوت ایسے حوادث لیکن کہیں بھی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مداخلت فرمائیں۔ مسجد کے ایک خادم کی موت پر حضرت بےقرار ہوں اور قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائیں اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کی شہادت پر تعزیت کے لیے بھی تشریف نہ لائیں۔ عقل مند اور ذہین لوگ آپ سے دریافت کریں گے کہ آخر یہ کیوں ہے؟ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی تلخی بالکل برمحل ہے۔

یاقومنا استحیوا من العقلاء والمبعوث بالقرآن والرحمان۔

والله لاقدر الرسول عرفتم — کلا ولا للنفس والانسان

من کان ھذا القدر مبلغ علمه — فلیستتر بالصمت والکتمان

ولقد ابان الله ان رسوله — میت کما قد جاء فی القرآن

(قصیدہ نونیہ ص۱۳۲)

اے قوم! تمہیں خدائے ذوالجلال، قرآن اور عقل مندوں سے شرم محسوس ہونی چاہیئے۔ نہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر کو پہچانا نہ انسانیت اور روح کی اقدار کو تم نے سمجھا۔ جس کا اسی قدر مبلغ علم ہو، اسے خاموش ہو کر چپ رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے صراحت سے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر موت وارد ہو چکی"۔

انبیاء کی حیاتِ دنیوی اہل بدعت کا مذہب ہے۔

ابن القیم کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حیاتِ دنیوی اہل بدعت اور معطلہ کا مذہب ہے۔ قصیدہ نونیہ ص۱۴۰ ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں" ہماری یہ شہادت ہے کہ تم زمین پر قرآن کو خدا کا کلام نہیں سمجھتے نہ آسمان پر خدا کو تم قابل اطاعت سمجھتے ہو اور نہ ہی تمہارے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر میں مدفون ہیں"۔

اگر مولوی احمد رضا اس قسم کی بہکی باتیں کہیں تو تعجب نہیں، اہل توحید اور مدعیان حدیث سے اس قسم کے خیالات کا اظہار تعجب انگیز ہے۔

کیا موت انبیاء کے لیے موجب توہین ہے۔

یہ سمجھ نہیں آیا کہ انبیاء علیہم السلام اور اہل اللہ کے حق میں ہم موت سے گھبراتے کیوں ہیں؟ موت کوئی بری چیز نہیں، نطفہ سے شروع ہو کر قبض روح، طفولیت، صبا، مراہقت، شباب، کہولت، شیخوخت زندگی کے مختلف مراتب ہیں ان میں پسندیدہ اور ناپسندیدہ عوارض ہیں مگر انبیاء، صلحاء، اہل اللہ سب کو اس راہ سے گزرنا

ہے۔ اس لیے کسی کے لیے ان میں کوئی منزل نہ تو خوشگوار ہے۔ نہ موجبِ توہین۔ زندگی بہر حال ان منازل ہی سے تعبیر ہے۔

قرآن عزیز نے فرمایا خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا (ملک) یعنی موت و حیات اسی دار الابتلاء کی منازل ہیں جن سے ہر انسان کو گذرنا ہے۔ دنیوی زندگی سے آخرت تک پہنچنے کے لیے موت ایک پل ہے جسے سب کو عبور کرنا ہے، اس میں نہ تحقیر ہے نہ اہانت۔ اگر موت کوئی بری چیز ہے تو انبیاء اور صلحاء پر اسے ایک آن کے لیے بھی نہیں آنا چاہیئے۔ اور اگر واقعی آخرت کے سفر کی یہ بھی ایک منزل ہے تو اس کے لیے پیچ و تاب کھانے کی ضرورت نہیں۔ اسے اسی قانون سے آنا چاہیئے جو ساری کائنات کے لیے اس کے خالق نے تجویز فرمایا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حضرت معاذ رضؓ کو فرمایا لعلی لا القاک بعد عامی ھٰذا (مجمع الزوائد) شائد میں تمہیں آئندہ نہ مل سکوں" اسی طرح ایک خاتون سے فرمایا ان لو تجدینی فاتی ابابکر (مشکوٰۃ) اگر میں زندہ نہ رہا تو تم (حضرت) ابو بکر رضؓ کے پاس آنا۔ سورۃ نصر کے نزول پر حضرت صدیق اکبر رضؓ کو خطرہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو جائیں گے آپؓ رو دیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سنا اور ایک لمحہ کے لیے اُسے ناپسند نہیں فرمایا۔ تاریخ، سیرت اور سنت کے دفاتر موت کے حوادث سے بھرپور ہیں۔ پھر معلوم نہیں ہم لوگ اس کے ذکر سے لرزہ بر اندام کیوں ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی وفات کے تذکرہ سے از دیوبند تا بریلی ارتعاش کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ احادیث کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی وفات، موت، تجہیز و تکفین، دفن کے عنوان موجود ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے گھبراہٹ کیوں ہوتی ہے؟ بعض امہات المومنین رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی وفات کے بعد سر کے بال کٹوا دیے۔ اس لیے کہ اب ان کی ضرورت نہیں (صحیح مسلم) بعض امہات المومنین نے سر بالکل منڈا دیا۔

(مجمع الزوائد ص ــــ)

کیونکہ حضرت انتقال فرما چکے، اسے موت کہیئے وصال کہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

کو خلوت گزین فرمائیے کوئی عنوان اختیار فرمائیے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسم اور روح کا دنیوی پیوند ٹوٹ چکا ہے یہی موت ہے جو برزخی احوال اور قبر کی زندگی کے منافی نہیں بلکہ اس منزل تک پہنچنے کا ایک صحیح ذریعہ ہے۔ آپ فرمائیں کہ عالم برزخ میں موت اور زندگی میں ترادف ہے تو مجھے اس اعتراض سے انکار نہیں مگر موت کا انکار اہل علم سے ایک شرمناک سانحہ ہے۔

عنوان سے حقیقت نہیں بدلتی

عنوان اور تعبیرات کی تبدیلی سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ مولانا حسینؒ احمد کی جلالتِ قدر اور مولانا نانوتویؒ کی عزارتِ علمی اور شیخ عبد الحق کی سادگی اس حقیقت کو نہیں بدل سکتی۔ جس کا اقرار قرآن حکیم نے محکم آیات میں فرمایا ہے۔ اور صحابہؓ نے اس پر اجماع فرمایا ہو۔ اور دنیا کی تاریخ نے اس کی تصدیق فرمائی ہو۔ غرض موت سے گھبراہٹ کا کوئی سوال ہی نہیں۔ یا پھر صراحت فرمایئے کہ موت بری چیز ہے، اس میں حقارت پائی جاتی ہے اور اسے ایک لمحہ کے لیے بھی مت تسلیم فرمایئے۔ واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بے ادبی کفر ہے۔

کراہیۃ الموت

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے موت سے کراہت کفر کی علامت ہے۔ یہودی اور مشرک موت کو ناپسند کرتے تھے ولتجدنھم احرص الناس علی حیٰوۃ ومن الذین اشرکوا یود احدھم لو یعمر الف سنۃ (۲: ۹۶) یہودی اور مشرک دنیوی زندگی کے زیادہ خواہش مند تھے وہ چاہتے ہیں کہ اس دنیا میں ہزار ہزار سال زندہ رہیں لیکن اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں، عذاب بہر حال ہو کر رہے گا۔" غزوہ احد میں منافق بھی موت ہی سے گھبراتے تھے۔ قرآن عزیز نے فرمایا این ما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ، (تم پختہ گنبدوں میں بھی قیام کرو موت ضرور آئے گی)

آنحضرت صلعم کی دعوتِ مباہلہ

انبیاء علیہم السلام اور صلحاء امت جن کا مستقبل انتہائی تابناک اور روشن ہے وہ اس سے کیوں

گھرائیں۔ آنحضرتؐ فداہ روحی نے مخالفین کو دعوتِ مباہلہ دی۔ ہم اگر ان سے موت کی نفی کر
نہ مدعی سست اور گواہ چست کی مثال صادق آئے گی۔ اہل توحید کا مقام ہے کہ اس
میں انبیاءؑ ہی کی طرح وہ راضی برضا ہیں۔ نہ زندگی سے مسرت نہ موت کا غم۔ جو حکم آئے اُس
کے لیے ہر وقت تیار۔ آخر یہ کیا مصیبت ہے مولانا بریلوی ایک آن کے لیے موت تسلی
کرتے ہیں۔ اگر موت مقامِ نبوّت کے منافی ہے تو ایک آن کے لیے بھی کیوں ہو۔ اگر
منافی نہیں تو ان کے لیے اس قانونِ قدرت کو کیوں بدلا جائے۔

خان صاحب بریلوی کی طویل ایک آن

اور خاں صاحب بریلوی کی "آن" تو اتنی طویل
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال سوموار کو ہوا، دفن بدھ کو فرمایا گیا۔ گھر والوں
تجہیز وتکفین کے انتظامات کیے، دوسرے ساتھیوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں آئندہ خلافت
کے متعلق دانش مندانہ فیصلہ فرمالیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمازِ جنازہ ملائکہ
نے پڑھی۔ ایک لاکھ سے زائد صحابہؓ نے پڑھی۔ خان صاحب قبلہ کی ربڑ کی آن ختم نہ ہو
سکی یا پھر ملائکہ کو اور صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیوی زندگی کا احساس نہ
ہوا۔ تیسرے دن اشک بار آنکھوں کے ساتھ جیتے پیغمبر کو دفن کر دیا۔ اس زندگی کو نہ
بیویاں سمجھ سکیں نہ حضرت فاطمہ جان سکیں۔ مشہد کے شیعہ حضرات آپ سے دریافت
کریں گے کہ زندہ در گور کرنے والے آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے ساتھی تھے؟
علماءِ ہیئت دریافت کریں گے یہ آن کتنے گھنٹوں کی تھی؟

یاللعقول الطائشہ! ویاللمضحکات! وقد صدق ابن القیم۔

واللہ ما قدر الرسول عرفتم   کلا ولا للنفس والانسان

حیاتِ شہدا کی تحقیق اور اس کی نوعیت

کفار موت کو عدم محض یا کلی فقدان سمجھتے تھے۔ قرآن نے موت کے
اس اصطلاحی مفہوم کا شہداء کے حق میں انکار کیا یہ درست ہے لیکن قتل کے عنوان سے

جسم اور روح کے انفصال کا اعتراف فرمایا یا ان کا خیال تھا کہ موت کے بعد دارِ فنا
میں ان اعمال پر کوئی جزاء مرتب نہ ہوگی۔ قرآن نے اس معنیٰ سے نفی فرمادی اور اس
دنیا سے رخصت کے بعد رزق اور نئی زندگی کا اعلان فرمایا جو دنیوی زندگی سے مختلف
ہوگی۔ اتنی مختلف کہ دنیا والے اس کا شعور بھی نہیں رکھ سکتے۔ یہ بالکل صحیح ہے لیکن موت
بمعنی انفصالِ روح سے انکار قطعاً غلط ہے اور بداہتِ حسی سے جنگ۔ ولا یرغب
عن نفسہ الا من سفہ نفسہ۔

پھر یہ زندگی اگر دنیوی زندگی ہی تھی تو لا تشعرون ط کیوں فرمایا گیا اور انسان
اس قدر بے شعور ہیں کہ اس زندگی کو بھی نہیں سمجھتے جس کی زلفِ پریشان کے بناؤ سنگار میں
پوری زندگی صرف ہو رہی ہے یہ تو وہی سوفسطائیت ہوئی جسے عقل گوارا کرتی ہے نہ نقل
اس کی تائید کرتی ہے۔

سابقہ عمومی گفتگو کے بعد اس موضوع پر مزید گفتگو کی چنداں ضرورت معلوم نہیں ہوتی
اور محلِ نزاع کی تعیین کے بعد بزرگوں نے جو دلائل ارقام فرمائے ہیں وہ خود بخود ہی ختم
ہو جاتے ہیں کیونکہ آیات اور احادیث اور ائمہ سلف کے اقوال میں دنیوی زندگی کا ذکر بالکل
نہیں اور حضرات علماءِ کرام کی آراء قابلِ احترام ہونے کے باوجود شرعاً حجت نہیں اس کے
باوجود مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کمزور تمسکات پر مختصر گفتگو ہو جائے۔

قرآن عزیز نے شہداء کی زندگی کا ذکر سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے۔

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولٰکن لا تشعرون ط (بقرہ) ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون (آلِ عمران)

دونوں آیات شہداء کی زندگی میں نص ہیں۔ اہل سنت کے مکاتب فکر سے کسی نے
اس زندگی کا انکار نہیں کیا۔ حضرت مولانا حسین احمدؒ فرماتے ہیں آپ کی حیات نہ صرف روحانی
ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی از قبیل دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے
قوی تر (مکاتیب جلد ۱ ص ۱۳۰ بحوالہ دارالعلوم نومبر ۵۷ء)

مولانا شہداء کی زندگی کو روحانی سمجھتے ہیں اور انبیاء کی برزخی جسمانی زندگی کو اس سے قوی ظاہر ہے کہ حسبِ ارشاد مولانا یہ آیت روحانی، برزخی اور کمزور زندگی کے لیے دلیل بن سکتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیوی، جسمانی طاقت ور زندگی اس سے بالکل مختلف ہے اس کے لیے یہ آیت دلیل نہیں بن سکتی۔ نہ ہی اس پر اس کا قیاس درست ہوسکتا ہے۔

آپ حضرات بھی جانتے ہیں کہ شہداء کی زندگی کے باوجود ان کی بیویاں نکاح کر سکتی ہیں ان کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے اور انبیاء کی زندگی چونکہ قوی تر ہے اس لیے نہ ان کی ازواج نکاح کر سکتی ہیں نہ ان کا ترکہ تقسیم ہوسکتا ہے اندریں صورت یہ آیت اس کے لیے کیا دلیل ہو سکے گی؟

شہداء کی زندگی کے متعلق سورۃ بقرۃ میں لا تشعرون ط فرمایا ہے یعنی یہ زندگی تمہارے شعور سے بالا ہے آل عمران میں احیاء عند ربھم یرزقون فرمایا۔ محط فائدہ قید زائد ہے عند اللہ کا تعلق احیاء سے ہو یا یرزقون سے دونوں عند اللہ ہوں گی۔ فی الدنیا نہیں ہوں گی اس لیے شہداء کی زندگی تو بنص قرآن عند اللہ ہے اور انبیاء کی برزخی زندگی جسمانی دنیوی ہے و بینھما بون اس لیے انبیاء کی زندگی کے لیے ان آیات سے استدلال نہیں ہوسکتا۔ اب آپ حضرات اگر اس گذارش سے متفق ہوں تو شہداء کی زندگی کے متعلق تو کوئی اختلاف نہیں رہے گا۔ اور حیاتِ دنیوی پر ان سے استدلال درست نہیں ہوگا۔ جب زندگیاں ہی دونوں الگ ہیں تو نہ ایک کا قیاس دوسری پر ہو سکے گا نہ ایک کے دلائل دوسری کے لیے دلیل بن سکیں گے۔

؎ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے معتاد رزق سے اگر دنیوی معتاد سمجھا ہے تو یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ شہداء کی زندگی جب عند اللہ ہے تو دنیوی رزق وہاں کیسے جا سکتا ہے اگر معتاد برزخی مراد ہے تو حیاتِ دنیوی کے لیے یہ رزق دلیل نہیں بن سکے گا۔

رزق سے استدلال بے معنی ہے۔

ویسے رزق سے زندگی پر استدلال بالکل بے معنی اور غلط ہے۔ رزق تو انبیاء اور شہداء کے علاوہ برزخ میں باقی ایماندار مرنے والوں کو بھی ملتا ہے۔ ارشادِ ربانی پر غور فرمائیں

والذین ھاجروا فی سبیل اللہ ثم قتلوا اوماتوا لیرزقنھم اللہ رزقاً حسناً وان اللہ لھو خیر الرّٰزقین۔ (الحج ۲۲: ۵۸)

آیت میں موت اور قتل دونوں پر رزق کا وعدہ فرمایا گیا ہے پس جب رزق طبعی موت سے مرنے والوں کو بھی ملتا ہے تو رزق سے زندگی پر استدلال صحیح نہ رہا۔ آپ حضرات کے نظریات سے لازم آتا ہے کہ کوئی بھی مرتا نہیں۔ یوں ہی موت کا لفظ لغت میں رکھ لیا گیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز رح کی تحقیق

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں "آرے ارواح شہیدان از تمتعات ایں جہاں و تکلیفات دنیا دور افتادہ اند۔ اما تمتعات جسدانیہ بے تکلفات دارند، اصلاً روئے غم والم نے بینند بس درحقیقت ایشاں اتم از حیات دنیوی است" (تفسیر عزیزی ص۱۷۴)

"یعنی شہداء کی روحیں اس دنیا کے فوائد اور تکلیفات سے تو بہت دور جا چکی ہیں۔ لیکن عالم برزخ میں ان کو دوسرے اجسام (سبز پرند وغیرہ) عطا ہوتے ہیں۔ ان سے وہ بے تکلف مستفید ہوتے ہیں۔ انہیں فکر اور غم نہیں ہوتا۔ ان کی یہ زندگی دنیا کی زندگی سے زیادہ کامیاب ہوتی ہے۔"

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

" ایں نوع تعلق کہ ارواح شہداء را با جانوراں پرندہ بہم میرسید ہم بیرون از عالم عناصر است (ص۱۷۴) شہداء کا جن پرندوں سے تعلق ہے یہ بھی اس عنصری دنیا سے بالکل الگ ہیں۔"

ص۱۷۴ "پس حیاتِ شہدا در عالم برزخ حیاتِ جزائی ست نہ حیات ابتدائی" اھ۔ برزخ میں شہداء کی زندگی جزاء اعمال کے لیے ہے۔ ابتدائی اور اعمال کی زندگی نہیں۔

شاہ صاحب کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ شہدا کی زندگی اس عنصری دنیا کی زندگی نہیں بلکہ وہ عالم برزخ اور دار الجزا کی زندگی ہے۔ معلوم نہیں ہمارے ان اکابر

کو دنیوی زندگی کہاں سے سمجھ میں آئی اور دنیوی زندگی سے ان کو کیوں محبت ہے۔ دنیوی زندگی کو ترجیح کفار کا خیال تھا۔ ان ھی الا حیاتنا الدنیا۔ (جو کچھ ہے دنیا ہی دنیا ہے) انبیاء اور شہداء کے تو تصور میں بھی ایسا نہیں آسکتا۔ ابن القیمؒ کا تجزیہ کس قدر درست ہے۔

واللہ لا الرحمان اثبتم ولا | ارواحکم یا مدعی العرفان
عطلتم الابدان من ارواحہا | والعرش عطلتم من الرحمٰن

جیسا کہ گذرا یہ عقیدہ ابنِ قیم کی تحقیق کے مطابق فرقہ معطلہ کا تھا۔ عقاید کے بارے میں یہ لوگ اپنے وقت کے بدعتی تھے۔ اہلِ سنت کا عقیدہ شہداء اور انبیاء کی حیاتِ دنیوی کا نہیں حیاتِ برزخی ہے جس کی صراحت شاہ صاحب نے فرمائی ہے۔

علامہ آلوسی حنفی کی تصریحات

شیخ شہاب الدین ابو الفضل السیّد محمود آلوسی بغدادی نے ۱۲۷۰ھ جو اپنے وقت کے بہت بڑے محقق عراق کے مفتی اور مسلکاً حنفی ہیں۔ روح المعانی (پارہ ۲ بقرہ) میں اس موضوع پر کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ انہوں نے حیاتِ شہداء کے متعلق پانچ مسالک کا ذکر فرمایا ہے اوّل جسمانی، دوسری روحانی، باقی مسالک باطل ہیں۔ پہلے مسالک کے متعلق فرماتے ہیں۔ یہ راجح ہے۔ ابن عباس، قتادہ، مجاہد، حسن عمرو بن عبید، واصل بن عطا، جبائیؒ، رمانی اور مفسرین کی ایک جماعت نے یہی پسند کیا ہے۔

جسم کے متعلق اہلِ علم میں اختلاف ہے بعض اسی جسم کے قائل ہیں جس پر شہادت وارد ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس حیات کا تعلق پرندوں سے ہے جن کا رنگ سبز ہوگا۔ ان کے آشیانے قندیلیں ہوں گی۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ دنیوی جسم سے ملتا جلتا جسم ان کو عطا ہوگا اس کے بعد فرماتے ہیں۔

"وعندی ان الحیٰوۃ ثابتۃ لکل من یموت من شہید وغیرہ وان الارواح وان کانت جواہر قائمۃ بانفسہا مغایرۃ لما یحس بہ من البدن لکن لا من تعلقہا ببدن برزخی مغایر لہذا البدن الکثیف" (ص۲۱ پ۲)

یعنی حیات برزخی سب کے لیے ثابت ہے۔ شہید اور دوسرے سب اس میں شامل ہیں۔ ارواح قائم بالذات ہیں (مذہب اہل سنت) اس محسوس دنیوی بدن سے مغایر ہیں لیکن برزخی جسم سے تعلق میں کوئی مانع نہیں۔ یہ دنیوی کثیف بدن سے مختلف ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

"وان ارواح الشہداء یثبت لہا ہذا التعلق علی وجہ یمتازون بہ عمن عداہم مافی اصل التعلق او فی نفس الحیٰوۃ بناء علی انہا من المسکک لا المتواطی اھ"

شہداء کی ارواح کا یہ تعلق باقی اموات سے امتیازی ہے۔ یہ امتیاز روح کے تعلق میں ہو یا زندگی ہی کلی مشکک ہو!"

دنیوی جسم کے متعلق فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے یہ چنداں مستبعد نہیں لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ دنیوی جسم کے ساتھ زندگی سے کمزور اعتقاد لوگوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے اور ایک سفاہت پر یقین دلانے کے سوا کچھ حاصل نہیں۔
علامہ آلوسیؒ برزخی زندگی کے قائل ہیں اور اسی زندگی میں شہداء اور عام اموات کو شریک سمجھتے ہیں۔ لیکن اس زندگی میں تواطو کی بجائے تشکیک سمجھتے ہیں تاکہ شہداء اور باقی اموات میں امتیاز رہے۔ ان کے اس مفصل ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ سنت سے ان کے زمانہ

۱۳۷۰ھ تک دنیوی زندگی کا کوئی بھی قائل نہیں۔ دنیوی جسم کے ساتھ تعلق کے جو لوگ قائل ہیں وہ بھی تعلق کی نوعیّت برزخی سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں اکابر دیوبند میں یہ غلط عقیدہ کہاں سے آگیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ آخر میں فرماتے ہیں

وما يحكى من مشاهدة بعض الشهداء الذين قتلوا منه مأت سنين وانهم الى اليوم تشخب جروحهم وما اذا رفعت العصابة عنها فذلك مما رواه هين بن بيان وما هو الا حديث طرفة وكلام يشهد على مصدقيه تقديو السخافة . اھ (ص ۲۲ پ ۲ بقرہ)

اور ایسی حکایات جن میں صدیوں کے بعد شہداء کے اجسام سے خون بہنے کا ذکر ہے۔ یہ سب خرافات ہیں۔ ان کے راوی غیر مستند ہیں اور ان حکایات کی تصدیق کرنے والے نحیف العقل ہیں۔"

تعجب ہے کہ مولانا بدر عالم صاحب ایسے ثقات نے بھی ان روایات کا تذکرہ مجمل تنقید کے ساتھ فرمایا ہے۔ حالانکہ مولوی احمد رضا خاں صاحب اور ان کی پارٹی کے مزخرفات کے جواب میں اس قسم کی روایات پر محدثانہ تنقید ہونی چاہیئے تاکہ شکوک وغیرہ عامۃ المسلمین کے ذہن کو ماؤف نہ کردیں۔

حافظ ابن جریر کی تصریح

حافظ ابن جریرؒ سورۂ بقر کی تفسیر میں اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ برزخی زندگی تو سب کے لیے ہے پھر شہداء کی خصوصیت کیا ہے۔

انهم مرزوقون من ماكل الجنة ومطاعمها في برزخهم قبل بعثهم ومنعمون بالذي ينعم به داخلوها بعد البعث من سائر البشر من لذيذ مطاعمها الذي لم يطعمها احد في برزخه قبل بعثه اھ (ابن جریر ص ۲۴ جلد ۲)

شہداء کو جنت کے لذیذ کھانے برزخ ہی میں ملیں گے۔ دوسرے لوگوں کو یہ انعامات برزخ کے جنت میں ملیں گے" یعنی شہداء کی زندگی برزخی ہے دنیوی نہیں۔ ان کا برزخ جنت کی نظیر ہے۔ جنت کے لذیذ ان کو قبر ہی میں مرحمت فرمائیں جائیں گے۔ یہی مزیت ہے جسے حیات سے تعبیر فرمایا۔ اور انہیں میت کہنے سے روکا گیا ہے۔

مولانا نواب محمد صدیق حسن خاں رحمہ اللہ تعالیٰ والی بھوپال مکتب فکر کے لحاظ سے اہل حدیث ہیں اس لیے آپ حضرات کو اس سے یقیناً اختلاف ہو سکتا ہے لیکن دقتِ نظر وسعتِ مطالعہ، زہد و تقویٰ کے لحاظ سے ان کا مقام یقیناً بہت اونچا ہے اور فہمِ قرآن میں ان کا ذہن بے حد صاف ہے۔ بہت سے اکابر قدما سے بھی ان کی رائے صائب معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"بل هم احياء في البرزخ تصل ارواحهم الى الجنة فهم احياء من هذه الجهة وان كانوا امواتا من جهة خروج الروح من اجسادهم. اھ (فتح البیان ص ۲۰۶ جلد ۱)

شہداء برزخ میں زندہ ہیں ان کی روحیں جنت میں جاتی ہیں گو روح کا تعلق جسم سے ٹوٹ چکا ہے۔"

ص ۲۰۵ میں فرماتے ہیں۔

روح جوہر قائم بالذات بدن سے حسی طور پر مغایر ہے، جمہور صحابہؓ اور تابعین کے نزدیک موت کے بعد بھی اس کا ادراک باقی رہتا ہے۔ کتاب و سنت کا یہی منشا ہے۔"

درسیات کے مشہور ملا جیون (صاحب نور الانوار) نے التفسیرات الاحمدیہ (ص ۱۲۹، طبع کریمی بمبئی) میں حیاتِ شہداء پر طویل بحث کے سلسلے میں اسے برزخی ہی قرار دیا ہے۔

پیش کردہ احادیث پر ایک نظر

حیات الانبیا بیہقی کے حوالہ سے اس مسئلہ میں دس احادیث مرقوم ہیں۔ مقام نزاع کے تعین کے بعد ان میں سے کوئی استدلال کے قابل نہیں۔ پھر حیاتِ دنیوی کا ذکر کسی میں بھی نہیں۔ احادیث

کے نام کی اہمیت اور اسلام میں سنت کے مقام کی رفعت کے پیش نظر اس کے متعلق اختصار سے ذکر کرنا ضروری معلوم ہوا۔ نامہ نگار کا تعلق دیوبند ایسی علمی درسگاہ سے ہے اس لیے بعض اہم احادیث کو جرح و توثیق کے لحاظ سے یہاں جانچا جاتا ہے۔

نمبرا۔ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (بیہقی کا رسالہ خصائص کبریٰ انباہ)

تحقیق

اس حدیث کی سند میں حسن بن قیتبہ خزاعی ہے جس کے متعلق ذہبی نے میزان الاعتدال میں ابن عدی کا قول لا باس بہ ذکر کرکے اپنی اور دوسرے ائمہ کی رائے ذکر فرمائی۔

قلت بل ھو ھالك قال الدارقطنی فی روایۃ البرقانی متروك الحدیث قال ابوحاتم ضعیف قال الازدی واھی الحدیث قال العقیلی کثیر الوھم اھ (ص ۲۴۱ ج ۱) یعنی ائمہ جرح و تعدیل کی نظر میں یہ ھالك متروك الحدیث ضعیف واھی الحدیث اور کثیر الوھم ہے"۔

حافظ ابن حجر نے لسان المیزان ص ۲۴۶ جلد ۲ میں ذہبی کی پوری عبارت نقل فرما کر اس جرح کی تصدیق فرمادی ہے۔ حافظ خطیب بغدادیؒ نے بھی اسے واھی الحدیث اور متروك الحدیث فرمایا ہے (تاریخ بغداد ص ۴۰۵ جلد ۷) باقی رہا شوکانی کا تحفۃ الذاکرین میں حدیث رد اللہ علی روحی کی تشریح میں یہ لکھنا لانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ وروحہ لا تفارق لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم اھ

تو سابق مفصل جرح کے موجود ہوتے "صح" سے مصطلح صحت مراد لینا تو مشکل ہے یہ صح بمعنی ہی ہو سکتا ہے۔ جب تک حدیث پر وضع کا حکم یقینی نہ ہو۔ محدثین کے نزدیک "ثبت" سے اس کی تعبیر ہو سکتی ہے۔ نیل الاوطار میں حافظ شوکانی نے یہی لفظ اختیار فرمایا ہے۔ وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم (ص ۲۵۰ جلد ۳)۔ ایسی احادیث کا تذکرہ مواعظ اور فضائل کی مجالس میں تو کیا جا سکتا ہے لیکن عقیدہ کی بنیاد اس پر نہیں رکھی جا سکتی۔ اہل حدیث اور ائمہ فن کے نزدیک اعتقاد کے لیے خبر واحد صحیح ہونی چاہیئے۔ کما ذکرہ ابن القیم فی الصواعق المرسلۃ

اس حدیث کے متعلق ابن القیمؒ فرماتے ہیں۔

وحدیث ذکر حیاتھم بقبورھم ‏ ‏ لما یصح وظاھر النکران
فانظر الی الاسناد تعرف حالہ ‏ ‏ ان کنت ذا علم بھذا الشان
ھذا ونحن لقولھم احیاء لکن عندنا کحیاۃ ذی الابدان
والتراب تحتھم وفوق رؤسھم ‏ ‏ وعن الشمائل ثم عن ایمان
مثل الذی قد قلتموھا معاذنا ‏ ‏ باللہ من افك ومن بھتان

انبیاء کی حیات فی القبور جس حدیث میں مذکور ہے اس کی سند صحیح نہیں۔ اہل فن کو اس کی سند پر غور کرنا چاہیئے، اس کے باوجود ہم یقین رکھتے ہیں کہ ان کے مبارک اجسام کے دائیں بائیں نیچے اوپر مٹی موجود ہے اور جس زندگی کے تم قائل ہو اس جھوٹ اور بہتان سے خدا کی پناہ "

حضرت موسیٰؑ کی نماز

حدیث نمبر ۲، ۳، ۴ میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے آپ نے انہیں قبر میں نماز ادا فرماتے دیکھا۔ یہ بھی حیات دنیوی نہیں برزخی ہے۔ قبر میں بھی دیکھا۔ بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی نماز میں شریک ہوتے پھر آسمان پر بھی آپ سے ملاقات فرمائی اور مفید مشورے دیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت یونس علیہ السلام کو احرام باندھے شتر سوار تلبیہ کہتے سنا۔ دجال کو بحالتِ احرام حج کے لیے جاتے دیکھا۔ عمرو بن لحی کو جہنم میں دیکھا۔ یہ برزخی اجسام ہیں اور کشفی رویت ہیں۔ اگر اسے دنیوی حیات سے تعبیر کیا جائے جو دجال ایسے خبیث لوگوں کو بھی حاصل ہوئی تو انبیاء کی فضیلت کیا باقی رہی۔ انبیاء کی حیات اہل سنت کے نزدیک شہداء سے بھی بہتر اور قوی تر ہے۔ برزخ میں عبادت، تسبیح، تہلیل اور رفعت درجات ان کو حاصل ہے اور بعض واقعات صرف مثالی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آیاتِ کبریٰ کے طریق پر دکھائے گئے۔ ان سے زندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مولانا نے کتاب الروح لابن القیم سے بعض حکایات نقل فرمائی ہیں۔ تعجب ہے۔

حافظ ابن القیمؒ نے امام ابن حزم کا ایک حوالہ ان کی کتاب الفصل سے نقل فرما کر اس کے

بعض حصص پر تنقید فرمائی ہے اس میں اس حیات کا واضح تذکرہ فرمایا ہے۔

قلت ماذکرہ ابن حزم فیہ حق وباطل اما قولہ من ظن ان المیت یحیی فی قبرہ فخطا فھذا فیہ اجمال ان ارادبہ الحیاۃ المعھودۃ فی الدنیا التی تقوم فیہ الروح بالبدن وتدبیرہ وتصرفہ ویحتاج معھا الی الطعام والشراب فھذا خطأ کما قالہ والحس والعقل یکذبہ کمایکذبہ النص وان ارادبہ حیاۃ اخری غیرھذہ الحیاۃ بل تعاد الروح الیہ غیر الاعادۃ المالوفۃ فی الدنیا لیسئل ویمتحن فی قبرہ فھذا حق ونفیہ خطأ قددل علیہ النص الصریح فتعاد روحہ فی جسدہ اھ (کتاب الروح ص۵۲)

یعنی اگر زندگی سے دنیوی زندگی اور اس کے لوازم مراد ہیں تو یقیناً یہ غلط ہے ایسی زندگی میت کو حاصل نہیں ہوتی۔ اگر اس سے مراد دنیوی زندگی کے علاوہ جس میں روح کے اعادہ معتاد زندگی کی طرح نہ ہو۔ اس کا مقصد صرف سوال امتحان ہو تو یہ درست ہے۔ اس کا انکار کرنا غلطی ہے یہ زندگی نص صریح سے ثابت ہے۔"

پھر ص۵۳ میں فرماتے ہیں جسم کے ساتھ روح کا تعلق پانچ طرح کا ہوتا ہے۔

١۔ ماں کے پیٹ میں بصورت جنین۔

٢۔ پیدائش کے بعد۔

٣۔ نیند کے وقت من وجہ تعلق، من وجہ علیحدگی۔

٤۔ برزخ کا تعلق، اس میں گو علیحدگی ہو جاتی ہے لیکن تجرد کلی نہیں ہوتا بلکہ سلام کے جواب کے لیے اسے لوٹایا جاتا ہے لیکن یہ دنیوی زندگی نہیں ہوتی جو اسے قیامت سے پہلے حاصل تھی۔

٥ قیامت کے دن کا یہ کامل ترین تعلق ہر پہلے چاروں قسم کے تعلق کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔ حافظ ابن القیمؒ نے اہل سنت کے مسلک کی اس میں پوری وضاحت فرمادی ہے۔

دنیوی زندگی کا ائمہ سنت سے سلف امت میں کوئی بھی قائل نہیں۔ معلوم نہیں شیخ عبدالحق اور مولانا حسین احمدؒ نے یہ مصیبت کہاں سے خرید فرمائی۔ درحقیقت یہ بات سینے تکی سی ہے جو کسی پہلو سے بھی درست نہیں بیٹھتی، عفا اللہ عنہما۔

حدیث نمبر۵ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء رواہ اصحاب السنن وابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا، تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ میں بعض ائمہ سے اس حدیث کی تصحیح نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ وللحدیث طرق جمعھا المنذری فی جزء فتعدد الطرقؒ یشد بعضھا بعضاً

حافظ ابن القیمؒ نے بھی جلاء الافہام میں ابن حاتم کی جرح کے جواب میں کوشش فرمائی ہے جس کی بنیاد عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر اور عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم کے اشتباہ پر رکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جلاء الافہام کی ساری بحث پڑھنے کے بعد بھی ذہن صاف نہیں ہوتا۔

اجلہ محدثین رحمہم اللہ کی تنقید ایسی نہیں جو مناظرانہ احتمالات کی نذر کر دی جائے۔ حافظ عبدالعظیم منذری مختصر سنن ابی داؤد ص۴ جلد ۲ میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

اخرجہ النسائیُ وابن ماجۃ ولہ علۃ دقیقۃ اشار الیھا البخاری وغیرہ قدجمعت طرقہ فی جزء اھ

اسی طرح انہوں نے الترغیب والترھیب (ص۱۲۹ جلد اول مصری) میں فرمایا ہے اس "علۃ دقیقۃ" کی وضاحت علامہ تقی سبکیؒ اور حافظ سخاوی نے کر دی ہے سبکی لکھتے ہیں

وعلتہ ان حسین ابن علی الجعفی لم یسمع من عبد الرحمٰن

---

[1] جہاں تک ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاءؑ کے ٹکڑے کا تعلق ہے وہ صرف تین سندوں سے مروی ہے اور تینوں مخدوش ہیں۔ حدیث نمبر ا ابی الدرداء پر امام بخاری اور امام ابوحاتمؒ جیسے بالغ نظر ائمہ حدیث کی جرح کو نظرانداز کرنا بہت مشکل ہے ص۲۔ سنن ابن ماجہ کی سند کا حال علامہ سندھی کے کلام سے معلوم کر لیجئے۔ ایک روایت ص۳ طبرانی کے حوالے سے حافظ سخاویؒ نے ذکر کی مگر ساتھ حافظ عراقیؒ سے نقل کر دیا ہے۔ لا یصح القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع ص۱۱۹)

بن يزيد بن جابر وانما سمع من عبد الرحمان بن يزيد
بن تميم وهو ضعيف . فلما حدث به الجعفي غلط
في اسم الجد فقال ابن جابر (شفاء السقام ص۴۷)

اسی کے قریب حافظ سخاوی ؒ لکھ کر فرماتے ہیں

ولهذا قال ابو حاتم ان الحديث منكر (القول البديع ص۱۱۹)

امام بخاری ؒ کا وہ اشارہ التاریخ الکبیر اور التاریخ الصغیر میں ہے۔

اول الذکر میں بہ ذیل ترجمہ عبد الرحمان بن یزید بن تمیم لکھتے ہیں۔

يقال هو الذي روى عنه اهل الكوفة ابو اسامة وحسين
فقالوا عبد الرحمان بن يزيد بن جابر (التاریخ الکبیر ص۳۶۵ جلد ۳ قسم اول) اور التاریخ الصغیر (ص۱۶۹) میں فرماتے ہیں۔

وما اهل الكوفة فردوا عن عبد الرحمٰن بن يزيد بن جابر
ابن يزيد بن تميم ليس بابن جابر وابن تميم
منكر الحديث اھ

حافظ ابو حاتم کا ارشاد ان کے صاحبزادے حافظ عبد الرحمٰن نے نقل کیا ہے

سمعت ابي يقول عبد الرحمان بن جابر لا اعلم احداً من
اهل العراق يحدث عنه والذي عندي ان الذي يروى
عنه ابو اسامة وحسين الجعفي واحد وهو عبد الرحمٰن
بن يزيد بن تميم پھر اس علت کو بنیاد بنا کر زیر بحث روایت نقل کی اور لکھا ہے۔ وهو حديث منكر لا اعلم احداً رواه غير حسين الجعفي
(علل حديث لابن ابي حاتم ص۱۹۷ جلد ۱)

ان ائمہ کے علاوہ علامہ ابو بکر ابن العربی المالکی فرماتے ہیں ان الحديث لم يثبت (نیل ص۳۰۴ جلد ۳)

اسی مضمون کی دوسری حدیث سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو الدرداء رضؓ سے مروی

ہے جس میں فنبیؐ اللہ حی یرزق کی زیادتی مرقوم ہے (ص۱۱۹ کتاب الجنائز) شوکانی ؒ نے غالباً اس کو بسند جید لکھا اور صاحب تنقیح الرواۃ نے بھی ان کی متابعت میں اس کو سندِ جیّد فرمایا ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔ حافظ سخاوی لکھتے ہیں

رجاله ثقات لكنه منقطع (القول البديع ص۱۱۹)

تعلیق سندھی حنفی علی ابن ماجہ (ص۵۰۳ جلد ۱) میں ہے۔

منقطع في موضعين لان عبارة رواية عن ابي الدرداء مرسلة و
زيد بن اليمن عن عبارة موسلة قاله البخاري اھ

حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں۔

قال البخاري زيد بن اليمن عن عبارة موسل اھ (تہذیب ص۳۹۸ جلد ۳)

امام بخاری ؒ کا یہ ارشاد التاریخ الکبیر ص۳۵۴ جلد ۲ قسم اول طبع حیدر آباد میں ہے حضرت ابو الدردا کی حدیث بروایت ابن ماجہ فنبی اللہ حی یرزق زائد ہیں۔ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الفاظ مدرج ہیں۔ مجد بن تیمیہ نے منتقی میں اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی ؒ نے اشعۃ اللمعات میں اندراج کو بطور شبہ قبول فرمایا ہے (جلد ۱ ص۵۰۹) خان صاحب بریلوی نے بھی اس زیادتی کو مدرج تسلیم کیا ہے (حاشیہ حیات الموات ص۱۷۸) خود ابن ماجہ میں یہ حدیث اوس بن اوس اور شداد بن اوس سے مروی ہے۔ اس میں یہ زیادتی نہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس کی سند کو جید کہنا تسامح سے خالی نہیں۔

برتقدیرِ تسلیم، یہ احادیث صحیح بھی ہوں تو ان سے دنیوی زندگی ثابت نہیں ہوتی لیکن میں نے کسی قدر تفصیلی تذکرہ اس لیے ضروری سمجھا تاکہ ان احادیث کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ جنہیں حضرات اجلہ دیوبند دبی زبان سے متواتر فرما دیتے ہیں۔ اور مدارج النبوۃ اور حافظ سیوطی ؒ کی تصنیفات پر اس قدر اعتماد کیا جاتا ہے جو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے متوسلین سے انتہائی موجب استعجاب ہے۔

ان احادیث میں ضعف اور انقطاع موجود ہے لیکن مسئلہ چونکہ درود کے فضائل

کا ہے۔ اس میں حلال وحرام یا عقائد کی بحث نہیں اس لیے ابن القیمؒ ایسے ائمہ حدیث بھی انہوں نے ثابت کرنا پسند نہیں کیا۔ اس لیے ان مباحث سے اس مخترعہ عقیدہ پر
تک نے تسامح سے کام لیا ہے۔ بنا بریں تعدد طرق سے اس کی تصحیح کی گئی اور عوام لدلال تاویل بما لا یرضیٰ بہ القائل ہے جیسے اہل علم و دانش نے کبھی پسند نہیں فرمایا۔
میں مشہور تھے کہ فضائل میں اس قسم کی احادیث کو قبول کر لیتے ہیں۔ اہل تحقیق حدیث نمبر ۶ صحیح ہے اس میں سلام کے وقت رد روح کا ذکر ہے۔ یہ حیاتِ دنیوی
نزدیک یہ اصل بھی خود محلِ نظر ہے۔ ے خلاف ہے۔ حافظ سیوطیؒ نے جس قدر جوابات دیے ہیں ان میں اکثر مناظرانہ انداز

جلاء الافہام میں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے حدیث میں ابوالدرداءؓ پر طویل بحث ہے ہیں۔ اور جن پر حافظ سیوطیؒ نے کچھ اعتماد ظاہر فرمایا وہ حیاتِ دنیوی کے خلاف
فرماتی ہے۔ انقطاع اور تصنیف کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ انقطاع کے ہے۔ ان جوابات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ کا اپنا ذہن بھی اس حدیث
شواہد جمع فرماتے ہیں۔ گو وہ شواہد خود محلِ نظر ہیں۔ خود حافظ ابن قیمؒ نے ان شواہد کے متعلق متعلق صاف نہیں۔ جوابات میں تذبذب اور خبط نمایاں ہے۔
بھی علل کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن یہ تمام شواہد کثرت صلوٰۃ کے متعلق جمع فرمائے گئے رہا مولانا حسین احمد صاحب مرحوم کا ارشاد گرامی سو وہ نص حدیث کے مخالف ہے
اور یوم الجمعہ کی تخصیص کو زیادہ تر پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس حد تک کوئی حرج نہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک سلام کا جواب
کے دن کثرت صلوٰۃ کے متعلق ان شواہد سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ینے کے لیے رد کی جاتی ہے۔ مولانا کے ارشاد کے مطابق رد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
لیکن اب مشکل یہ ہے کہ بریلوی مکتب س حدیث کے مفہوم پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ مولانا مدنیؒ کے جواب سے تو حدیث کا

عقیدہ حیات اور اس کے نتائج

اور بعض اکابر دیوبند نے ان ضعاف مفہوم صاف نہیں ہوتا۔
مقطوعات سے عقیدہ حیاتِ دنیوی ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے اور اس بدعی حدیث نمبر ۷ اسراء کی رات کو انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کا ذکر ہے۔ معلوم نہیں
کو متواتر عقیدہ کا نام دینا شروع کیا ہے۔ اس لیے پورے یقین سے سمجھ لینا چاہیے کہ اس سے حیات دنیوی کا استخراج کیسے ہوگا۔ ائمہ سنت کے اس کے متعلق دو ہی
طرق اور شواہد کے باوجود یہ اسانید اس قابل قطعاً نہیں کہ ان پر کسی عقیدہ کی بنیاد مشہور مسلک ہیں۔ بعض اس ملاقات کو روحانی سمجھتے ہیں (فتح الباری ص ۴۵۲ پ ۱) میں
جائے۔ ایک حدیث بزار اور حاکم سے منقول ہے۔ انہ صلی فی بیت المقدس مع الملائکۃ

پھر ان طرق اور شواہد میں حیات انبیاء کا ذکر نہیں بلکہ اکثروا علی الصلوٰۃ وانہ اتی ھناک بارواح الانبیاء فاثنوا علی اللہ ھ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ
یوم الجمعۃ، پر زور دیا گیا ہے۔ جن طرق اور شواہد میں حیات کا ذکر صراحتہ وآلہ وسلم نے بیت المقدس میں ملائکہ کو نماز پڑھائی اور وہاں انبیاء علیہم السلام کی روحیں
وہ کوئی بھی صحیح نہیں۔ صحیح لغیرہ احادیث سے عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا، لائی گئیں" دنیوی زندگی کا یہ غلط دعویٰ مصیبت ہو گیا ہے اور احادیث میں تطبیق ناممکن
میں کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ جن اہل علم سے ان احادیث کی توثیق نقل کی جا دوسرا مسلک یہ ہے کہ برزخ میں ان ارواح کو مماثل اجسام دیے گئے۔ اور ان اجسام
ان میں نہ کوئی دنیوی زندگی کا قائل ہے نہ ہی ان مباحث میں کسی نے اس بدعی نے بیت المقدس میں شب اسراء میں ملاقات فرمائی ان کا ذکر بھی حافظ ابن حجر فتح الباری
کو ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ سب سے زیادہ بحث اس مقام پر حافظ ابن (پ ۱۵ ص ۴۰۹ جلد ۴ میں فرماتے ہیں۔
نے فرمائی ہے۔ وہ حیاتِ دنیوی کے قائل نہیں۔ ان احادیث .... سے مطب ان ارواحھم مشکلۃ بشکل اجسادھم کما جزم بہ ابوالوفاء

ابن عقیل اھ۔ یہ دونوں صورتیں برزخ ہی میں ہوسکتی ہیں۔ اسے دنیوی زندگی کہنا تو دانش مندی نہیں۔ اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ تصریح فرماتے ہیں۔

لانہ بعد موتہ وان کان حیًا فھی حیاۃ اخرویۃ لاتشبہ الحیاۃ الدنیا (پ۱۴ ص۳۶ ج۴) اور (پ۱۴ ص۲۸۳ ج۳) میں فرمایا وھذا الحیات لیست دنیویہ انما ھی اخرویۃ انتھٰی تلخیص الخبیر ص۱۹۲ میں بیہقی سے نقل فرمایا الانبیاء احیاء عند ربھم کالشھداء یہ عند اللہ حیات برزخی اخروی ہوسکتی ہے۔ اسے کبھی کوئی سمجھ دار دنیوی حیات تو نہیں کہہ سکتا۔

موسیٰ علیہ السلام کی نماز حج، ہارونؑ، یونسؑ، حضرت مسیحؑ اور دجال کا احرام یہ سب حقائق مثالی ہیں یا برزخی، دنیوی تو نہیں ہوسکتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹا حضرت ابراہیم فوت ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لہ ظئران تکملان رضاعہ فی الجنۃ (مشکوٰۃ ص۵۲۰) اس کی مدت رضاعی جنت میں عورتیں پوری کریں گی،، آپ کے خیال سے حضرت ابراہیم کو دنیوی زندگی ملی۔ حالانکہ نہ وہ نبی ہیں نہ شہید۔ اس مطلب کی بیسیوں احادیث سنت کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ اگر ان سے دنیوی حیات ثابت کی جائے تو پھر یوں فرمایئے کہ دنیا میں کوئی مرتا ہی نہیں۔

حدیث ۸، ۹، ۱۰، بالکل حیاتِ دنیوی کا پتہ نہیں دیتیں۔ معلوم نہیں مولانا زاہد صاحب نے انہیں کیوں نقل فرمادیا ہے۔ سابقہ گذارشات کے بعد ان احادیث پر مزید گفتگو سے کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا

حکایات اور قصص

حضرت جعفرؓ کی شہادت، بعض ارواح کا اپنے قرضوں کے متعلق اطلاع دینا، کتاب الروح، شرح الصدور، خصائص کبریٰ وغیرہ میں اس قسم کی کئی حکایات مرقوم ہیں۔ اولاً یہ قصے شرعاً حجت نہیں۔ ثانیاً عقائد کے لیے یہ دلائل قطعاً قابل اطمینان نہیں۔ ثالثاً، اس سے حیاتِ روح اور ان کی نقل و حرکت پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ حیات جسمانی یا حیاتِ دنیوی ان سے ثابت نہیں ہوتی رابعاً: خواب اور کشوف کا ظہور حبیب غیر نبی سے ہو تو صاحب کشف ممکن ہے اس پر یقین

کرلے۔ عامۃ المسلمین اسکے پابند نہیں۔ واقعۂ حرّہ میں سعید بن مسیبؒ کا مسجد نبوی میں اذان سننا مدعا کے لحاظ سے بالکل بے معنی ہے۔ سعید بن مسیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز نہیں پہچانتے تھے ممکن ہے یہ آواز کسی پاک باز جن یا فرشتہ کی ہو۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیوی زندگی کیسے ثابت ہوئی۔

ابن القاسمؒ سے مولانا نے انسان کے چار دور ذکر فرمائے ہیں۔ رحم۱، دنیا۲، برزخ۳، آخرت۴، ہر دوسرا دور پہلے سے بہتر اور اس وسعت پر غور فرمایئے۔ یہ دلیل آپ کے خلاف ہے یا آپ کے موافق، جب برزخ میں وسعت ہے اور یہ دور دنیا سے بہتر ہے تو فرمایئے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برزخ سے دنیوی زندگی میں لانے کی کیوں کوشش فرماتے ہیں برزخی زندگی دنیوی زندگی سے بدرجہا اعلیٰ اور ارفع ہے

خاں صاحب بریلوی اور ان کے اتباع عقل اور علم سے بے نیاز ہیں لیکن آپ حضرات غور فرمائیں اہل توحید تو علم و عقل سے خالی نہیں ہوتے؟ ان فی ذالک لاٰیات لاولی النھٰی،

مضمون کے بعض حصص پر مزید لکھا جاسکتا ہے۔ میرا مقصد بحث و مناظرہ نہیں۔ یہاں کے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ بیرونی حضرات ان کے متعلق اظہار رائے کی کوشش نہ فرمائیں یہاں کا ماحول یہاں کے اہل علم بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ لادینی حالات پیدا کرنے کے لیے جو حالات پیدا کیے جارہے ہیں شائد آپ حضرات ان سے ناواقف ہیں۔ اس لیے مناسب نہ ہوگا کہ مستقبل کی ذمہ داری آپ حضرات پر عائد کی جائے۔ اور آپ کے ان مکاتیب اور خطابات سے غلط فائدہ اٹھایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق مرحمت فرمائے کہ ہم اسلام کی سربلندی کے لیے کچھ کرسکیں، قادیانیت، رفض اور بدعت جن چور دروازوں سے آرہی ہیں۔ ہم ان ابواب کے کھولنے کا سبب نہ بنیں۔

مندرجات رسالہ حیات النبی پر ایک سرسری نظر

مجلہ "دارالعلوم" دیوبند کے مضمون حیات النبی سے متعلق میں اپنی تنقیدی گذارشات "رحیق" میں اشاعت کے لیے دے چکا تھا۔ اتفاقاً رسالہ "حیات النبی" مؤلفہ مولانا اخلاق حسین ملا۔

جس کا پیش لفظ مولانا سید ابوذر بخاری نے لکھا ہے مگر افسوس ہے کہ اس میں جوانی کے جوش کے سوا کچھ نہیں۔ اور بات یہ ہے کہ جہاں ولائل بالکلیۃ ناپید اور نصوص صراحۃً خلاف ہوں وہاں مکتب خیال کی دہائی اور کھینچا تانی کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے۔ یہی ہو سکتا ہے کہ نوجوان مل کر زور لگائیں۔ زبان کی طاقت اور قوت بازو سے نصوص کو پھیرنے کی کوشش کریں۔ اس سے کم از کم تھوڑی دیر تک اذہان کا رخ پھیر لیں گے اور مکتب خیال کے بزرگوں کی رفعتِ شان کا واسطہ دے کر گرتی دیوار کو تھوڑی دیر کے لیے سنبھالا دے دیں۔ مولانا اخلاق حسین اور ابوذر صاحب نے بھی یہی کچھ کیا ہے۔ اس لیے مجھے اس رسالہ کے ابتدائی حصہ کے متعلق کچھ بھی گذارش کرنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔

میں نے اپنے بعض دوستوں سے سنا تھا کہ حضرت مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ مجھے یہ رسالہ کوشش کے باوجود نہ مل سکا۔ مگر پیشِ نظر رسالہ کے ص ۱۸ پر حضرت مولانا قاسم رحمہ اللہ کے رسالہ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمالیں۔ مولانا کے رسالہ کا نام "آب حیات" ہے۔ یہ اقتباس ص ۲۳۲ سے لیا گیا ہے۔ مولانا نے اسی حدیث یرد اللّٰہ علی روحی کی توجیہ فرمانے کی کوشش فرمائی۔ یہ حدیث چونکہ دیوبندی مکتب خیال کے خلاف ہے اس لیے اس کی تاویل فرمائی گئی ہے کہ یہ راستہ سے ہٹ جائے۔ حضرت کا ارشاد روح پر فتوح نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حب منبع اور اصل ارواح باقیہ خصوصاً ارواح مومنین امت ٹھہری تو جونسا امتی آپ پر سلام عرض کرے گا اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا۔ ارتداد جملہ شعب لازمی نہیں اور ظاہر ہے کہ اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام تو ہو گا پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہو گا۔ آخر شعب غیر متناہی اور ہیں۔

حضرت مولانا کی جلالتِ قدر، دقتِ نظر، وسعتِ معلومات، تقویٰ للّٰہیت معلوم اور مسلم ہے۔ قلم لرزتا ہے کہ مجھ ایسا کم سواد علم وحکمت کے سمندر کے خلاف تنقید کا اختیار کرے لیکن اس کا کیا جائے کہ بحمد اللہ ذہن میں تقلید وجمود کے جراثیم نہیں ہیں۔ اور آنحضرت فداہ ابی امی کے بعد یقین سے کوئی معصوم نہیں، اس لیے سوچتا ہوں کہ اس مختصر سے اقتباس میں ہے کیا۔ اتنے بڑے متبحر فاضل نے افسوس ہے کوئی دلیل نہیں دی۔ اور ایسی کوئی چیز بھی نہیں

لکھ سکے جو ذہن کو اپیل کرے اور یہ مصیبت اس لیے پیش آئی کہ ان حضرات نے ایک غلط نظریہ اپنا لیا کہ انبیاء کی حیات برزخی نہیں جسمانی اور دنیوی ہے، حضرت نے۔

"مجازات کی زبان میں روح کو جسے قرآن نے امر فرمایا مرکب تصور کیا۔ پھر شعب لامتناہی تصور فرمایا۔ پھر اس مرکب کے اجزاء سے ہر ایک کی توجہ مختلف سمتوں میں منقسم ہو سکتی ہے۔ پھر انقسام توجہ کے باوجود استغراق پر مطلق اثر نہیں پڑتا۔ پھر یہ روح عام ارواح کے لیے اور مومنین کی ارواح کے لیے منبع ہے، یعنی مسلم اور غیر مسلم ارواح کا انشعاب اسی روح سے ہوتا ہے اور مومنین کی ارواح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے خاص نسبت اور تعلق ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ کے ارشاد گرامی کا اقتباس آپ کے سامنے ہے بظاہر اس میں کوئی اغلاق نہیں۔ مجاز واستعارات کے انداز میں جو کچھ فرمایا ہے وہ الفاظ کے ہیر پھیر کے سوا کچھ نہیں۔ کتاب وسنت سے کوئی نص یا اشارہ حضرت نے اپنے اس فکر کی تائید میں ذکر نہیں فرمایا۔

قرآن عزیز نے روح کے تذکرہ میں جامع اور مناسب راہنمائی فرمائی ہے۔

قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ط۔

ذرا غور کر لیا ہوتا کہ امر کی تفصیلات میں جاتا۔ اس کے غیر متناہی شعب کا تذکرہ ہوتا تو قرآن اسے ضرور بیان فرما دیتا۔ مولوی اخلاق حسین صاحب نے ص ۱۰ پر زاد المعاد سے ایک اقتباس نقل فرمایا ہے اس کا اور مولانا کے اقتباس کا موازنہ فرمائیے۔ حافظ رحمہ اللہ کا ارشاد کس قدر اقرب الی السنۃ ہے اور احادیث میں تطبیق کے لیے کس قدر موزوں اور مناسب، مولانا قاسم کی منطق ملاحظہ فرمائیے۔ وہ قطعی بے جان ہے۔ الفاظ کی شعبدہ بازی سے زیادہ اس میں کچھ نہیں اور حدیث یرد اللّٰہ علی روحی کے سامنے رکھا جائے تو پوری تقریر کی حیثیت ہوائی سی ہو جاتی ہے اور حدیث کے الفاظ سے بالکل الگ اور مختلف!

بریلوی علم کلام

ہم نے بریلوی علم کے تین اصول سمجھے ہیں۔ اول:۔ مخالف کو پیٹ بھر کے گالیاں دینا۔ دوم جہاں تک ممکن ہو اس پر جھوٹی تہمتیں

تراشتے جاتا تاکہ بیچارا الزامات کا جواب دیتے ہی تھک جائے۔ سوم جس بدعت کی ترویج مقصود ہو اس کے ساتھ "شریف" کے لفظ کا اضافہ، گیارہویں شریف، میلاد شریف چہلم شریف جو نسبتی بدعت اور شرک کا مرکز ہو اس کے ساتھ "شریف" لگا دو، جتنا بڑا پاپی اور مہا مشرک ہو اس کے نام کے ساتھ جھوٹے خطابات کا ایک طویل سلسلہ ضم کر دو عوام حق سے نفرت کرنے لگیں گے۔ بدعت اور اہل بدعت کو پسند کرنے لگیں گے۔

اخوان دیوبند

حضرات دیوبند پہلی دو بیماریوں سے قریباً محفوظ ہیں۔ گالیاں نہیں دیتے، جھوٹ نہیں بولتے۔ لیکن اکابر کے محاسن میں غلط مبالغہ اور بے ضرورت غلو، اساتذہ کی تقدیس باندازِ عظمت یہاں بھی موجود ہے اور بدرجہ اتم۔ آپ نے مولانا قاسمؒ کا اقتباس پڑھ لیا اور اب مبالغہ آمیزی ملاحظہ فرمائیے۔

"آبِ حیات وہ کتاب ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے یہ کتاب استاد رحمہ اللہ علیہ سے درساً درساً پڑھی۔ تب مصنف کے مدارک پر مطلع ہوا ہوں۔ میں نے مولانا حبیب الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس واقعہ کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا مجھے یہ کتاب آپ پڑھا دیں تو انہوں نے باایں ذہن و ذکا فرمایا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں تو ایسی کتاب ہم جیسے نالائقوں کے بس کی بات کیا ہو سکتی ہے۔

آپ نے اقتباس ملاحظہ فرما لیا۔ اردو میں ہے اس میں کوئی اغلاق بھی اور گہرائی بھی نہیں لیکن میں مولانا طیب صاحب کی یہ غلو آمیزی پہلے دیکھ لیتا تو شاید میں بھی آنکھیں ملتا لگتا کہ شاید یہاں کوئی شیر سو رہا ہو۔ رواۃ کی ثقاہت میں شبہ نہیں لیکن جب ایسے بزرگ عرض کیا جائے تو ذہن میں کشمکش سی پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ اکابر کیا فرما رہے ہیں۔ جب ہے کوئی مقام کتاب دقیق ہو۔ جس کے لیے شیخ الہند نے استاد محترم کی طرف رجوع فرمایا مگر پوری ہی کتاب درساً پڑھنا بڑی عجیب بات ہے۔

ہماری رائے تو یہ ہے کہ یہ بریلوی علم کلام کا بڑا حصہ ہے۔ جو حضرات دیوبند کو ورثہ میں ملا ہے اور اسی مبالغہ آمیزی کی بنا پر یہ غلط نظریہ کہ انبیاء کی حیات دنیوی ہے

دیوبندی مکتبِ خیال میں چل نکلا ہے۔ ہمارے دیوبندی نوجوان اساتذہ کے ان ارشادات کو چھوئی موئی سمجھتے ہیں۔ اور ان کے حسن و قبح کا تجزیہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ، واولئک ھم اولوا الالباب (۳۹: ۱۸)

احباب کرام! علم و دانش یکسر اس سے مختلف ہے۔ اساتذہ کا احترام دوسری چیز ہے اور علم و دانش سے صرفِ نظر بالکل دوسرا امر، اس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کرام کا اسوہ آپ کے سامنے ہے کہ احترام اور اختلاف بیک وقت چل رہے ہیں۔ نہ اختلاف اظہارِ حق سے مانع ہے اور نہ اظہارِ حق ادب و احترام کی راہ میں حائل۔ اظہارِ حق کے جذبہ کو ادب و احترام میں اس طرح سمو دیا گیا ہے کہ سینکڑوں مسائل ہیں۔ اختلاف کے باوجود استاد کی جبینِ احترام پر شکن کے آثار تک پیدا نہیں ہوتے ہیں، اور تلامذہ کے مزاج میں ادنیٰ سا تکدر رونما ہوتا ہے نہ ہی طرفین میں مبالغہ آمیز تمادح کی کبھی نوبت آئی۔ رحمھم اللہ ورضی عنھم۔

اولئک اٰبائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

اس کے بعد مولانا طیب صاحب کا ایک طویل خط مولانا اخلاق حسین صاحب نے نقل فرمایا ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو کی جائے تو ایک غیر مفید بحث میں ناظرین کا وقت ضائع ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ کا ارشاد گرامی فصوص الحکم یا فتوحات کے انداز کی ایک مستقل تقریر یا نظریہ ہے جس سے حدیث کے الفاظ کی روشنی میں حدیث کا حل نہیں ہوتا۔ پھر حضرت مولانا طیب صاحب کی تشریح حضرت نانوتوی کے ارشاد سے چنداں متعلق بھی نہیں۔ اپنی جگہ کچھ خیالات ہیں جن کی پیدائش کا ذمہ دار مولانا کا ذہن ہے۔ جو تلامذہ اور معتقدین کی محفل میں کہنے کے لیے ایک اچھی چیز ہے۔ دلائل و براہین کے معیار پر اترنا مشکل ہے۔ ایک مستقل سی تقریر ہے۔ اس سے نہ حدیث کے حل میں مدد ملتی ہے، نہ مولانا نانوتویؒ کے ارشادات پر تشریحی روشنی اس سے پڑتی ہے۔ البتہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نانوتویؒ

کے ارشادات کو ابن قیم کے ارشاد اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے بعض کشوف میں ضم کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔

میں نے ایسے ناتمام کہنے کی جسارت کی ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پر فتوح کو کل ارواح باقیہ اور خصوصاً مومنین کی اصل تصور فرماتے ہیں۔ لیکن حضرت قاری صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "حقیقی مومن" فرما کر اس کے عموم کو ختم فرماتے ہیں۔ اور اہل ایمان کی تخصیص کی ترجمانی اس انداز سے فرماتے ہیں گویا روح اور ایمان بالکل مرادف ہیں۔ اصطلاح کا حق ہر ایک کو ہے ہم اسے روک نہیں سکتے۔ لیکن ارباب علم غور فرمائیں کہ اس سے کس قدر خبط ہوگا اور پرویز اور عبدالحکیم کو اصطلاحات کی تخریب سے روکنا کتنا مشکل ہوگا۔ بہتر ہے لوگوں سے گفتگو ان کی زبان میں کی جائے جس طرح ابن القیم رحمہ نے کی ہے۔ اس کے بعد مولانا نے سورج اور اس کی دھوپ کو تمثیلی انداز میں بہت طول دیا ہے لیکن یہ کوشش بھی اس لیے ناتمام ہے۔ رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ، میں لفظ "رد" کا تقاضا اس سے پورا نہیں ہوتا۔ البتہ اس طول سے ذہن میں خبط ضرور ہو جاتا ہے۔

اگر یہ تقریر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے وجود کے متعلق کی جاتی۔ اور متصوفانہ اور فقہی جمود پر اس سے پابندی لگائی جاتی تو بہت مناسب ہوتا۔ حدیث کے فہم کے لیے تو اس تقریر کے ہوتے ہوتے تو یہ لفظ حدیث سے نکالنا ہی پڑے گا۔

اس حدیث سے مخلصی کی ایک اور راہ بھی ہو سکتی تھی کہ اس کے رواۃ میں ابوصخر حمید بن زیاد ہیں۔ مسلم نے اس کی متابعت کے طور پر روایت کی ہے۔ یحییٰ بن معین نے اسے بعض اوقات ضعیف کہا ہے اس سے بعض منکرات بھی مروی ہیں۔ حدیث پر جرح کر کے مخلصی ہو سکتی ہے۔ حدیث کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد اصطلاحات کی ہیرا پھیری بے دین اور اہل بدعت کے لیے راستہ کھول دے گی اور اس کی ذمہ داری اہل علم پر ہوگی۔

یا پھر وہی عام اہل سنت کی راہ حیات برزخی ہے اور یہ دنیوی موت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے ان دونوں میں تضاد نہیں، اہل تحقیق اور ہمارے اکابر کی بھی یہی راہ ہے۔

قاری صاحب نے استغراق کی بھی کئی صورتیں بنا دی ہیں۔ فی ذاتہٖ صلی اللہ علیہ وسلم، استغراق فی ارواح الامۃ، استغراق فی ذات اللہ۔ روح کا معاملہ جب ہمارے فہم و فراست سے بالا ہے تو پھر ان تکلفات سے کوئی فائدہ نہیں۔ ظاہر الفاظ سے فرار آپ ایسے حدیثی کے ماننے والوں کے لیے قطعاً مناسب نہیں۔ یہ ابن عربی اور ابن سعید کے انداز کا کشفی تصوف امام احمد اور امام ابوحنیفہ رح کے زہد و ورع کے مطابق نہیں کہا جا سکتا . . . .
. . . . حضرت قاری صاحب کا پورا خط خطابی انداز کا ہے۔ یہی حال مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم کے اقتباس کا ہے۔

اگر پاکستان میں اہل بدعت ان تمویہات اور الفاظ سے غلط فائدہ اٹھا کر اہل توحید کو دق نہ کرتے تو ان تلخ گذارشات کی ضرورت نہ تھی۔ ہم دور افتادہ مساکین پر آپ حضرات کسی اچھے طریق سے کرم فرمائیں تو ہم ممنون ہوں گے جو انداز اب تک اختیار فرمایا گیا ہے قابل شکایت ہے۔

تشکوت وما الشکوی لمثلی عادۃ
ولکن یفیض الکاس عند امتلاءھا

ہم چاہتے ہیں آپ حضرات سے توحید و سنت کی بات سنیں۔ ائمہ سلف اور ان کے اعتصام بالسنۃ کے قصے سنیں۔ یہ جنس جو دارالعلوم لا رہا ہے پاکستان میں ضرورت سے زیادہ موجود ہے۔ آپ حضرات کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ مولانا خیر محمد صاحب کی رضامندی کے لیے کوئی اور راہ اختیار فرمائیے

دور دستاں را بہ نعمت یاد کردن ہمت است
ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمر مے افگند

قاری صاحب کے مکتوب گرامی کے بہت حصوں پر میں نے گذارشات نہیں کیں ورنہ اس پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً ط۔ (رحیق)

چند شبہات کا حل

آج سے چند ماہ پہلے اس موضوع پر چند گذارشات "مجلہ رحیق" میں پیش کرنے کا موقع ملا تھا۔ بریلوی حضرات کے خیالات اس موضوع پر معلوم ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد میں انبیاء علیہم السلام کی زندگی کو جسمانی اور دنیوی قرار دیا ہے۔ لیکن ان حضرات کے خیالات عموماً دلائل کے بجائے جذبات پر مبنی ہوتے ہیں اس لیے علمی حلقوں میں اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔

خود مولانا احمد رضا خاں صاحب جب اس قسم کے مسائل پر لکھتے ہیں تو استدلال کے بجائے مخالف پر طعن و تشنیع اور الزامات سے حملہ آور ہوتے ہیں۔ وہ مثبت طریق پر بہت کم لکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علم و نظر کے حلقوں میں ان بزرگوں کے ارشادات کو چنداں اہمیت نہیں دی جاتی۔ حضرات علماء دیوبند کا مقام اس سے بالکل مختلف ہے ان میں محقق اہل نظر ہیں۔ دلائل پر ان کی نظر ہے۔ اپنے مسلک کی حمایت میں ان کا مدار جذبات پر نہیں ہوتا۔ لیکن مجھے تعجب ہوا کہ مسئلہ حیات، حیات انبیاء علیہم السلام میں حضرت مولانا حسین احمدؒ، حضرت مولانا محمد قاسمؒ صاحب نانوتوی اور بعض دوسرے اکابر دیوبند کی بھی تقریباً وہی رائے تھی جو مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی تھی۔

پھر مزید تعجب ہوا کہ بعض حضرات نے حیات انبیاء کی اس صورت کو اجماعی مسئلہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ دعویٰ تحقیق اور انصاف دونوں کے منافی ہے بلکہ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اجلہ دیوبند بھی اس مسئلہ میں ان حضرات سے متفق نہیں۔ میری گذارشات شائع ہونے کے بعد ان گذارشات کی تائید بعض دیوبندی جرائد نے بھی فرمائی[1]

جن احباب نے اختلاف فرمایا وہ بھی دلائل اور تحقیق کی بنا پر نہیں، بلکہ اساتذہ کی جلالتِ قدر پر اعتقاد اور جمود کی بنا پر فرمایا۔ اس کے باوجود انہی بزرگوں کے ذوقِ علم و تحقیق کی بنا پر پہلے بھی چند پریشان خیالات مقتدر مجلہ "رحیق" کی نذر ہوئے اور آج کی

[1] یعنی ماہنامہ تجلی دیوبند جس کا مقالہ آئندہ صفحات میں شائع کیا جا رہا ہے (ناشر)

صحبت میں جو عرض ہو رہا ہے۔ اس کا مقصد بھی یہی ہے۔ ائمہ سنت اور اہل تحقیق اکابر کی روش کے پیش نظر ان مسائل پر غور فرمایا جائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے ابناؤ احفاد کے ساتھ محبت اور ان کے تحقیقی مسائل سے استفادہ میں اہل حدیث کسی سے پیچھے نہیں۔ وما من احد الا و یؤخذ من قولہ ویرد علیہ (امام مالکؒ) ...... کے کلیہ سے انبیاء علیہم السلام کے بعد کوئی مستثنیٰ نہیں۔ تاہم شاہ صاحب اور ان کے ابناء کرام کی علمی تحقیقات کے سامنے پیشانیاں جھکتی ہیں۔ رحمھم اللہ وجعل اللہ الجنۃ مثوٰھم۔

دیوبند کے علمی اقتدار اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی رفعتِ مقام کی بنا پر جب کوئی مسئلہ ان حضرات کی طرف سے آئے تو اس سے صرف نظر ممکن نہیں۔ جو احادیث اس باب میں آئی ہیں ان کے متون و اسانید، ائمہ حدیث کے آراء و افکار اور محققین کے ارشادات کی روشنی میں جو مواد میسّر آسکا اس کا تذکرہ "رحیق" کے صفحات میں آچکا ہے

آبِ حیات

حال ہی میں برادر محترم حضرت مولانا محمد چراغ صاحب کی عنایت سے حضرت مولانا نانوتویؒ کی "آب حیات" دیکھنے کا موقع ملا۔۔

...... مولانا نانوتویؒ کے علم اور جلالت قدر کا پہلے بھی یقین تھا "آب حیات" دیکھنے سے ان کا احترام اور بھی زیادہ ہوا۔ ان کی جلالتِ قدر کے باوجود بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ "آب حیات" کا انداز تحقیق سے زیادہ تاویل پر مبنی ہے۔ مولانا مغفور نے یہ کتاب وراثت نبویؐ کے متعلق شیعہ نقطہ نظر کے جواب میں لکھی ہے اور شیعی شبہات سے مخلصی کے لیے یہ مناظرانہ راہ اختیار فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسمانی طور پر زندہ ہیں۔ اور ان کی یہ زندگی دنیوی زندگی ہے اس لیے تقسیم وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مولانا کے ساتھ انتہائی عقیدت کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مناظرانہ راہ ہے اس سے وہ نصوص حل نہیں ہوتے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات دفن اور اس دنیا سے انتقال کا صریح تذکرہ موجود ہے ...... قرآن کی صراحت۔ اِنَّکَ

مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ط اور احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کی تفصیلات، حضرت ابو بکرؓ کا خطبہ، صحابہؓ کا سکوت، حضرت عمرؓ کا رجوع، امہات المومنینؓ کا سوگ ایسی چیزیں نہیں ہیں جنہیں مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی علمی جلالت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا جائے۔

خود اکابرِ دیوبند یا ان کی اکثریت ان بزرگوں سے اس عقیدہ میں متفق نہیں۔ اس کی حقیقت ایک صوفیانہ تخیل سے زیادہ کچھ نہیں۔ نصوص حدیثیہ کی ظاہری تعبیرات اس کے خلاف ہیں۔ تقلیدی جمود کی ذمہ داری تو یقیناً نہیں لی جا سکتی۔ لیکن بصیرت دینی ان تاویلات کے قبول کرنے سے انکار کرتی ہے۔ اس لیے ابناء دیوبند سے ادباً گذارش ہے کہ اکابرِ دیوبند بے شک قابلِ احترام ہیں لیکن وہ اپنے وقت کے ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ نہیں ہیں کہ ان کی ہر بات تقلیداً مان لی جائے۔ اس لیے گذارش ہے کہ جمود سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ کتاب و سنت موجود ہے اور ائمہ سلف کی تصریحات بھی۔ ولا قول لاحد مع اللہ ورسولہ۔

حیات النبی اور اہل حدیث

مجھے خوشی ہے کہ اکابر اہل حدیث میں کسی سے اس قسم کی لغزش نہیں ہوئی۔ ہمارے اکابر سے غزنوی خاندان کو تصوف سے جو شغف رہا ہے وہ بحث و دلیل کا محتاج نہیں لیکن حضرت عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ابناء کرام اور تلامذہ عظام سے کوئی بھی اس قسم کے اعتقادی جمود کا شکار نہیں ہوا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔ حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ کے علوم سے جن لوگوں نے حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب کے توسط سے استفادہ فرمایا ہے وہ اس قسم کی خوش اعتقادی سے محفوظ رہے ہیں اسی طرح جن لوگوں نے علمائے یمن سے علومِ سنت کا استفادہ فرمایا ہے۔ وہ بھی ان کمزور اور دور از کار تاویلات سے محفوظ رہے ہیں اور یہ ساری برکت اس بنا پر ہے کہ یہ دونوں طریق تقلیدی جمود سے پاک ہیں۔ ان میں اساتذہ کا ادب تو یقیناً ہے لیکن جمود اور تقلید نہیں ..... یہی محدثین کی اصل راہ ہے ..... جب سے محققانہ تنقید کو

بے ادبی کہا جانے لگا۔ اس وقت سے جمود نے عقل و فکر کی راہوں کو مسدود کرنا شروع کر دیا اور دماغوں نے سوچنا ترک کر دیا۔

میری گذارشات

میری گذارشات میں ان اساطین علم کے ارشادات پر حدودِ ادب کے اندر رہتے ہوئے تنقید تھی۔ اگر یہ مسئلہ صرف بریلی کی راہ سے آتا تو میں اس پر ایک حرف بھی لکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتا۔ میں نے عرض کیا ہے کہ نہ وہ حضرات سوچنے کے عادی ہیں نہ ان کا علمی حلقوں میں کوئی اثر ہے۔

حضرات اکابر دیوبند کے علمی احترام کے وسیع اثر نے مجبور کیا کہ ان کے ارشادات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تاکہ طلباء علمی تنقید اور بحثِ نظر کی عادت سیکھیں ..... ان گذارشات کا مختلف حلقوں میں عجیب اثر ہوا۔ بعض حلقوں نے اسے بے حد پسند کیا، گویا وقت کی یہ ایک ضرورت تھی۔ اس وقت تک پاک و ہند کے کئی جرائد میں وہ مضمون شائع ہو رہا ہے بعض حلقوں نے اسے سخت ناپسند فرمایا اور اسے حضرات اکابر دیوبند کی بے ادبی پر محمول فرمایا۔ اعاذنی اللہ من ذالک۔

بعض نے اس پر جزوی اور معقول تنقید فرمائی، اور توجہ دلائی کہ معتدل بسط کے باوجود اس میں تشنگی ہے۔ بعض گوشے مجمل ہیں ضرورت ہے کہ ان کی مزید وضاحت کی جائے۔

بعض کا خیال ہے کہ مسئلہ اساسی طور پر نظر ثانی کا محتاج ہے۔ ضرورت ہے کہ نصوص کی روشنی میں پورے موضوع پر نظر ثانی کی جائے۔ جو خطوط بذریعہ ڈاک موصول ہوئے ان میں بھی یہی کیفیت موجود تھی۔

منشی محمد شفیع صاحب کا نظریہ

چنانچہ ہمارے محترم دوست منشی محمد شفیع صاحب لاہوری (جو مشرباً دیوبندی) طبعاً حق پسند اور بحث و نظر، تحقیق و تنقید کے عادی ہیں) نے توجہ دلائی کہ مسئلہ کے بعض پہلو محل نظر ہیں ان پر مزید غور ہونا چاہیئے۔

میں نے اپنی گذارشات میں عرض کیا تھا کہ حیات انبیاء علیہم السلام پر اجماعِ امت

ہے گو احادیث کی صحت محلِ نظر ہے تاہم ان کا مفاد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسامِ مبارکہ کو مٹی نہیں کھاتی۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء (ابن ماجہ ص ۱۱۹، ۷۷ ترغیب منذری ص ۱۱ جلد ۲)

منشی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کلیہ صحیح نہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے اجسام خاک پر حرام ہیں بعض انبیاء علیہم السلام کے متعلق معلوم ہے کہ ان کے اجسام میں مٹی نے تصرف کیا چنانچہ حافظ نور الدین ہیثمی ۸۰۷ھ نے مجمع الزواید جلد ۱۰ ص ۱۷۰ و ص ۱۷۱ میں ابویعلی اور طبری سے بروایت حضرت موسیٰ رض اور حضرت علی رض نقل فرمایا ہے۔

فقال علماء بنی اسرائیل ان یوسف لما حضرہ الموت اخذ علینا موثقًا من اللہ ان لا تخرج من مصر حتی ننقل عظامہ (الی ان قال) فلما احتفروا اخرجوا عظام یوسف۔

حضرت علی رض کی حدیث میں الفاظ کی ترکیب اس طرح ہے۔

قال لہ انک عند قبر یوسف فاحتمل عظامہ وقد استوی القبر بالارض (الی ان قال) فاخرج العظام و جاوز البحر (ص ۱۷۱ جلد ۱۰ مجمع الزوائد)

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے ہمراہ رات مصر سے نکلے تو راستہ بھول گئے۔ جب تشویش ہوئی تو علماء بنی اسرائیل نے فرمایا، یوسف علیہ السلام نے ہم سے پختہ وعدہ لیا تھا کہ جب وہ مصر سے جائیں تو میری ہڈیاں اپنے ہمراہ لیتے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ہڈیاں نکال لیں اور اپنے ہمراہ لے گئے۔ (ملخصًا)

منشی صاحب کا خیال ہے کہ جسم اطہر کی حفاظت میں جو احادیث آئی ہیں وہ درست نہیں لیکن ابویعلی کی روایت صحیح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں موسیٰ علیہ السلام ہمراہ لے گئے۔ منشی صاحب کا خیال ہے کہ یوسف علیہ السلام کی اس وقت صرف ہڈیاں تھیں گوشت اور پوست نہیں تھا

ہیثمی نے ابویعلی کی روایت کے متعلق فرمایا ہے کہ رجال ابی یعلی رجال

الصحیح وھذا الذی حملنی علی سیاقھا (ص ۱۷۱ مجمع الزوائد جلد ۱۰)

ابویعلی کے رجال صحیح کے رجال ہیں اسی لیے میں نے اس حدیث کا تذکرہ کیا ہے۔

طبرانی کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں

رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ من لم اعرفھم۔ (ص ۱۷۱) (طبرانی کی روایت کے راوی غیر معروف ہیں)

منشی صاحب نے اس مفہوم کا ایک حوالہ البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد اول ص ۲۷۵ سے بھی نقل فرمایا ہے۔

ولما خرجوا من مصر اخرجوا معھم تابوت یوسف علیہ السلام۔

یعنی جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔"

منشی صاحب کی تائید میں ایک حوالہ ابن خلدون جلد ۱ ص ۱۳۱ میں بھی ملتا ہے۔

لما فتح یوشع مدینۃ اریحاء صار الی نابلس فملکھا ودفن ھنالک شلو یوسف علیہ السلام وکانوا حملوہ معھم عند خروجھم من مصر وقد ذکرنا انہ کان اوصی بذلک عند موتہ اھ۔

حضرت یوشع نے اریحا کے بعد جب نابلس پر قبضہ کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں ان کی وصیت کے مطابق وہاں دفن کر دیں۔ یہ ہڈیاں مصر سے نکلتے وقت وہ اپنے ہمراہ لائے تھے ان حوالوں سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ کلیہ درست نہیں بعض انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ معلوم ہوتے ہیں۔"

اہل علم کا فرض ہے کہ ان نصوص میں غور فرمائیں اور اس میں بظاہر تعارض میں ترجیح یا تطبیق کی کوشش فرمائیں۔ متوسلین دیوبند سے خصوصی گذارش ہے کہ وہ اپنے اکابر کے مسلک کو ان تصریحات کی روشنی میں ثابت فرمائیں۔ مسائل عصبیت یا ناراضگی سے حل نہیں ہوسکتے اور نہ عقیدت مفرطہ دلائل اور براہین کا بدل ہی ہوسکتی ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ان متعارض دلائل کا اثر حیاتِ برزخی پر نہیں پڑتا۔ وہ بہر حال ثابت ہے۔ عذاب و ثواب قبر کی احادیث کے ہوتے ہوئے قبر میں زندگی کی کوئی صورت تو یقیناً ہو گی۔ مشکلات حیاتِ نوعی میں ہیں۔ خصوصاً جب اسے جسمانی دنیوی سمجھا جائے۔ بریلوی حضرات کے نقطہ نظر سے یہ مسئلہ اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ قبر میں بظاہر بعض تکلیفات شرعیہ کا بھی صلحاء امت کو مکلف سمجھتے ہیں۔ ازدواجی تعلقات کی کہانیاں بھی ان کے ہاں مروّج اور متعارف ہیں۔

صاحب روح المعانی نے حیات شہدا کے سلسلہ میں انواع حیات کے متعلق کافی تفصیل فرمائی ہے۔ محترم منشی محمد شفیع صاحب کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے لیے برزخی زندگی تو مانتے ہیں لیکن وہ اس زندگی کے لیے نہ جسم کو ضروری سمجھتے ہیں نہ اس کے لیے دنیوی زندگی کے لوازم کی ضرورت ہی محسوس فرماتے ہیں۔

منشی صاحب کے دلائل کا تجزیہ

اس میں شک نہیں کہ دلائل میں ایسا باور کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ اگر حیات کا جسمانی اور دنیوی تصور قبول کیا جا سکتا ہے تو منشی صاحب کے تصور کی راہ میں کونسا مانع حائل ہو سکتا ہے لیکن میری رائے میں منشی صاحب کے دلائل کئی وجوہ سے کمزور اور مرجوح معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ حدیث:- ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔

اللہ تعالیٰ نے مٹی پر انبیاء کے اجسام حرام فرما دیے ہیں۔

گو بلحاظ سند صحیح نہیں۔ تاہم اصول ستہ کو جو فوقیت طبرانی اور ابویعلی پر ہے اُسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اصول ستہ کو بحیثیت مجموعی طبرانی وغیرہ پر برتری حاصل ہے جو تیسرے درجہ کی کتابوں سے استدلال فحول ائمہ حدیث تنقید اور تحقیق کے بعد کرتے ہیں یا پھر اہل بدعت جن کے ہاں اصل چیز اپنی بدعت کی تائید ہے دلائل کی پختگی سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔

(حجۃ اللہ)

۲۔ حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں صرف زوائد جمع کرنے کا ذمہ لیا ہے تاکہ ایک مواد

اہل علم کے سامنے آجائے۔ وہ ان زیادات پر بالاستیعاب کلام نہیں فرماتے اور نہ ہی جرح و قدح کی تفصیلات ہی میں جاتے ہیں۔

۳۔ ابویعلی کی روایت میں انہوں نے فرمایا ہے رجالہ رجال الصحیح۔ اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ضد کے رجال پر اصحاب الصحیح نے اعتماد فرمایا ہے لیکن حدیث کی صحت کے لیے یہ کافی نہیں۔ امام مسلم نے شواہد میں ایسے رجال سے روایت کی ہے جن میں ائمہ حدیث کو کلام ہے۔ اس کا تذکرہ انہوں نے مقدمہ مسلم میں بھی فرمایا ہے۔

۴۔ پھر ثقاہت رجال کے علاوہ تصحیح حدیث کے لیے اور بھی شروط ہیں۔ مراسیل اور مقطوعات میں ثقاہت رجال کے باوجود حدیث کی صحت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ راوی اور روایت کی شرائط کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

۵۔ طبرانی کی روایت کے متعلق حافظ ہیثمی فرماتے ہیں۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ من لم اعرفہم۔ غیر معروف رجال سے جو روایت مروی ہے اس کی صحت کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اس قسم کی ضعیف روایات کے بالمقابل تو ابن ماجہ کی روایت ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء، کو ضعف کے باوجود جمہور امت نے قبول فرمایا ہے۔ اس لیے اسے طبرانی اور ابویعلی کی ضعیف روایات پر ترجیح ہو گی۔ لتلقی الامۃ مفہومہا بالقبول۔ قرائن کا تقاضا یہی ہے کہ ابن ماجہ کی رویت کو ترجیح دی جائے اور برزخی زندگی کے ساتھ جسم کی سلامتی کو بھی تسلیم کر لیا جائے۔

۶۔ پھر ابن ماجہ کی روایت کو علی علاتہا تسلیم کر لینے سے تعارض بھی اُٹھ سکتا ہے۔ ابویعلی اور طبرانی کی روایت میں عظام سے مقصد حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ السلام کی نعش مبارک مراد ہو جیسے کہ البدایہ والنہایہ جلد اص ۲۷۵ میں اخرجوا معہم تابوتہ مرقوم ہے عظام کی تابوت اور تابوت کی عظام سے تعبیر میں استبعاد نہیں۔ ایسے مقام پر عظام سے جسم مراد لینا متعارف ہے۔

قرآن حکیم نے منکرین حشر کا عقیدہ ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔ من یحیی العظام وھی رمیم، (بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندگی عطا کرے گا) معلوم ہے کہ کفار حشر اجساد

کے منکر تھے۔ حشر عظام پر استعجاب اسی حقیقت کی تعبیر ہے۔ مقصود یہی ہے۔ من یحیی الاجسام البالیہ حدیث من فاحتمل عظامه سے مراد احتمل جسمه ہی ہونا چاہئے اس مفہوم کے بعد احادیث میں تعارض اُٹھ جاتا ہے۔ میری دانست میں وہی مسلک صحیح ہے جسے ائمہ سنت وحدیث نے قبول فرمایا ہے۔

ابن خلدون کا حوالہ اور بھی محل نظر ہے کیونکہ مصر سے تو حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش مبارک حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ہمراہ لائے۔ بنی اسرائیل چالیس سال تک بادیہ تیہ میں اقامت پذیر رہے۔ کوشش اور انتہائی آرزو کے باوجود بنی اسرائیل کسی ہمسایہ ملک پر حملہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال اسی اثناء میں ہوا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کی قیادت یوشع بن نون کے سپرد ہوئی۔ حضرت یوشع نے اریحا اور نابلس کے علاقے فتح ہوتے۔ خیال ہے کہ اس اثناء میں برسوں گئے ہوں گے۔ ابن خلدون نے بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے

واخرجوا معهم تابوت يوسف عليه السلام (ص۱۲۳ جلد ۱) تابوت اور شلو ابن خلدون نے دونوں استعمال کیے ہیں۔ مسعودی نے ایک روایت میں تابوت کی شکل بھی بتائی ہے۔ (ص۴۷ جلد ۱) قبض الله يوسف بمصر وله مائة وعشرون سنة وجعل فی تابوت المرخام وسد بالرصاص وطلی بالاخبية النافعة للهواء والماء.

حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے سفید پتھر کا تابوت بنایا گیا اور ہوا اور پانی کی بندش کا پورا انتظام کیا گیا۔

معلوم نہیں اس وقفہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی عظام یا تابوت کو وادی "تیہ" میں دفن کیا گیا۔ اور دوبارہ نکال حسب وصیت نابلس میں دفن کیا گیا۔ تفصیلات کیلئے تاریخ ہے اور جو مواد ملتا ہے وہ قریباً اسرائیلی روایات ہیں جن کی بناء پر ترجیح دینا مشکل ہے جب امت نے جو رائے قبول کی ہے۔ روایات میں ضعف کے باوجود وہی راجح معلوم ہوتی ہے سارے واقعات اخباری انداز کے ہیں۔ ان کا انداز احادیث اور محدثین کی ہمسری نہیں ابوالقاسم سہیلی بعض شہداء احد اور صلحاء کے اجسام کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہ

کے بعد اپنی قبروں سے صحیح سالم برآمد ہوئے اور دوسری جگہ دفن کیے گئے، اس کے بعد فرماتے ہیں۔ والاخبار بذلك صحيحة۔ (روض الانف ص۳۴ جلد ۱)۔ پھر فرماتے ہیں۔

قال عليه السلام ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء اخرجه سليمان بن اشعث وذكر ابوجعفر الداودی فی كتاب الناسی هذا الحديث بزيادة وذكر الشهداء والعلماء والموذنين وهی زيادة غريبة لم تقع (لی) فی مسند غيران الداودی من اهل الثقة والعلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے اجسام زمین پر حرام فرما دیے ہیں۔ سلیمان بن اشعث نے اسے تخریج فرمایا ہے۔ ابوجعفر داودی نے اس حدیث میں شہداء، علماء اور موذنین کا بھی اضافہ کیا ہے اس زیارت میں بے شک غرابت ہے لیکن داودی عالم اور ثقہ ہیں۔"

سہیلی اور شوکانی نے ان احادیث کے متعلق صحت یا ثقاہت کا ذکر فرمایا ہے اس کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ یہ ذخیرہ ضعف سے خالی نہیں۔ بخاریؒ اور منذریؒ ذہبی وغیرہ ائمہ فن نے ان پر تنقید فرمائی ہے اور یہ حضرات سہیلی وغیرہ سے اپنے فن میں زیادہ مستند ہیں اس لیے اگر منشی صاحب اپنی رائے پر اصرار فرمائیں تو انہیں اس کا حق ہے۔

مکرر گذارش ہے کہ ابناء دیوبند اس موضوع پر تحقیقی طور پر لکھیں محض اکابر اساتذہ کی تقلید پر کفایت نہ فرمائیں اور نہ ہی ہماری گذارشات کو کسی بے ادبی پر محمول فرما کر ناراض ہونے کی کوشش کریں۔

فان العلم امانة والجهل عن الحقائق خيانة والتمسك بالنصوص ديانة والاعراض عن التحريف والتاويل صيانة ومن حرم عن ذلك فقد حرم بعض الخير والله ولی التوفيق عليه توكلت وهو حسبی ونعم الوكيل ولا حول ولا قوة الا بالله عليه اعتمد واليه انيب.

(الاعتصام ص۲۷ جلد ۱۰۔ مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۵۹ء)

مسئلہ حیات النبیؐ پر ایک سوال اور "مدیر تجلی" دیوبند کا تحقیقی جواب

لاہور سے رحیق نامی ایک ماہنامہ نکلتا ہے یہ اہل حدیث حضرات کا آرگن ہے۔ اس کی چند اشاعتوں میں "حیات النبی کے مسئلہ پر ایک خاص غلو پسندانہ انداز میں کلام کیا گیا ہے بخصوصاً آخری قسط (مئی ۱۹۵۸ء) علمائے دیوبند حتیٰ کہ قاسم العلوم والخیرات حجۃ اللہ مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ تک کی تقلیل و تخطیہ میں کسر اٹھا کے نہیں رکھی گئی ہے۔ کاش آپ اس مضمون کو ملاحظہ فرمائیں۔ اور جو قلم مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی تائید میں دفتر کے دفتر گھسیٹ دیتا ہے اور وہ اپنے لائق صد احترام اکابر و اسلاف کی حمایت میں بھی جولانی دکھائے اور تمام ائمہ سے بڑھ کر اپنے آپ کو صاحب علم اور عقائد فہیم سمجھنے والے اہل حدیث کی عبارتوں کا جواب لائے۔ امید ہے کوشش کر کے "رحیق" حاصل کریں گے اور اپنے اکابر کی حمایت سے نہیں چوکیں گے۔ ویسے بھی "حیات النبیؐ" کے مسئلہ پر رحیق کے مضمون نگار کی رائے لطیف طریقے پر توہین رسولؐ پر منتج ہوتی ہے جس کا ازالہ نہایت ضروری ہے

جواب

"رحیق" بہترین علمی مجلہ ہے[1]

ماہنامہ "رحیق" لاہور "تجلی" کے تبادلہ میں دفتر تجلی میں آتا ہے اور ان پرچوں میں شامل ہے جنہیں ہم کم بیش پورا دیکھے بغیر نہیں چھوڑتے۔ بلکہ ہمیں کہنا چاہیئے کہ ہم اسے ناقدانہ نہیں بلکہ طالب علمانہ اور شاگردانہ حیثیت سے پڑھتے ہیں کیوں کہ اس کے مضامین عموماً قیمتی علمی مواد پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جن سے ہماری حقیر سی متاع علم میں مفید اضافہ ہوتا ہے۔ آپ کے خط کو پڑھ کر ہمیں رنج ہوا۔ انداز بیان سے لے کر نفس مطلب تک تمام خط تعصب، غلط فکری اور جاہلی تصوّرات سے آلودہ ہے۔ کاش آپ "تجلی" کے فائل اٹھا کر دیکھتے کہ ہم دینی معاملات میں کس نقطۂ نظر کے حامل ہیں اور ہمارے نزدیک دین میں گروہ بندیاں اور اجارہ داریاں کس قدر افسوسناک امور ہیں۔ ہزار ہزار صدمہ اور ملال ہے کہ ہمارے موجودہ مدرسے عموماً وہی فاسد جذبات

[1] افسوس کہ یہ بہترین علمی مجلہ اب بند ہوگیا! ناشر

اور غالی و متعصب ذہن تیار کر رہے ہیں جس کی خاصی جھلک آپ کے خط میں دیکھی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو غلط قسم کی اکابر پرستی، مقامیت و وطنیت پر مبنی گروہ بندی، غلو فی العقیدت اور "ہم چو ما دیگرے نیست" کے خبط سے محفوظ رکھے۔

ہم مولانا محمد اسماعیلؒ سے متفق ہیں۔

جہاں تک نفس موضوع یعنی اس سوال کا تعلق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وصال و رحلت کے بعد کس طرح کی "زندگی" حاصل ہے اتفاق سے ہم پہلے ہی بعض علمائے دیوبند کے مسلک سے متفق نہیں ہیں بلکہ ہمارا مسلک بعینہٖ وہی ہے جس کا اثبات "رحیق" کے فاضل مضمون نگار مولانا محمد اسماعیل صاحب خطیب نے کیا ہے۔ تجلی میں کئی بار اس مسئلہ پر ہم اجمالاً کچھ نہ کچھ لکھ چکے ہیں۔ تمام حوالے تو مستحضر نہیں ہیں صرف ایک حوالہ پیش نظر ہے۔ یہی ہمارے خیال و عقیدے کے اظہار کے لیے کافی ہے۔ تجلی مئی ۱۹۵۶ء میں تجلی کی ڈاک کے تحت "حیات النبی" ہی کے زیر عنوان ہم نے ایک صفحے کا جواب دیا تھا مناسب ہو آپ اسے پڑھ لیں۔ اس کی آخری سطور یہ تھیں۔

> ہمارا کہنا یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے مجمل رکھنا ہی پسند فرمایا ان کے بارے میں تفصیلات کی طلب اور چھان بین مناسب نہیں ہے۔ مجمل عقیدہ ہی کافی ہے عقل و ادراک کے پاس یہ صلاحیت کہاں ہے کہ وہ مرنے کے بعد کے احوال و واقعات کو مادی احوال و واقعات کی طرح سمجھ سکے۔ وصال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم و روح میں کیا اور کیسا تعلق ہے، آپ کن معنوں میں زندہ ہیں۔ آپ کے سامنے کیا چیزیں پیش ہوتی ہیں کیا نہیں۔ اس طرح کے سوالات میں پڑنے کے عوض احکامات دین کی تعمیل و نفاذ ہی مسلمانوں کے لیے بالکل کافی ہے۔ جن لوگوں پر عبادات و نکوکاری کے نتیجے میں اللہ کے بعض چھپے ہوئے اسرار کھول دیے گئے ہوں اور "حیات النبی" کے باب میں ان پر کچھ منکشف ہوا ہو، وہ ان کے اپنے لیے ہے عوام کے لیے نہیں ہے۔ عوام اسے نہیں سمجھ سکتے بلکہ مغالطوں اور وسوسوں میں گرفتار ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے "وصال" کو "موت" سے جدا کوئی چیز ثابت کرتے ہوئے آپ

کی حیات مستقلہ کا کوئی متعین و مشخص اور معلوم و مشرح تصور عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں، ہمارے خیال میں وہ مفید کام نہیں کرتے، بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن کے بار بار بیان کیے ہوئے تصور بشریت کو مافوق البشر تصورات و اوہام سے آلودہ کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں" (تجلی مئی ۱۹۵۶ء ص ۳۳)

مولانا قاسم معصوم نہیں تھے

مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت و محبت کا جہاں تک سوال ہے تو سچ ہے کہ ہم انہیں اپنے وقت کا بہترین عالم، ذہین و فہیم مفکر اور صاحب زہد و ورع دانش ور سمجھتے تھے لیکن یہ عقیدت اس لغویت تک کبھی نہیں پہنچی کہ ہم ان کو معصوم مان کر ان کے ہر فکر و رائے کی اندھا دھند تائید کرتے چلے جائیں۔ چنانچہ ان کی مختلف تحریروں میں اس طرح کی باتیں دیکھنے کے بعد بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت "موت" کے معلوم عام مفہوم و مصداق سے جداگانہ شئے ہے اور اس کی مثال اس ہانڈی کی سی ہے جو کسی چراغ پر ڈھک دی جائے۔ ہم کسی طرح اپنے آپ کو اس باریک خیال کی تائید و تصدیق پر مائل نہ کر سکے بلکہ ہمارا عقیدہ وہی رہا کہ قرآنی تصریحات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت من حیث البشر ویسی ہی رحلت ہے جیسی کسی دوسرے انسان کی ہوتی ہے اور "موت" کا لفظ اس پر ٹھیک اس طرح صادق آتا ہے جس طرح کسی اور انسان کی رحلت پر۔ اس کے لیے قرآن، حدیث اور خلیفہ اول کی تقریر میں واضح شہادت موجود ہے۔ رہا بعد مرگ ان کا زندہ رہنا اور زمین پر ان کے جسم کی حرمت تو اگرچہ اس کا انکار ایک مسلمان کی حیثیت میں ممکن ہی نہیں ہے لیکن جو لوگ اس زندگی بعد مرگ کو ٹھیک دنیاوی زندگی جیسا ثابت کرنا چاہتے ہیں اور مرگ رسول کو ایک اٹل حقیقت ماننے سے فرار کی راہ اختیار کرتے ہوئے اس طرح کی باتیں کرتے ہیں گویا "یہ موت" محض ایک فریب نظر یا مذاق تھا۔ وہ اچھا نہیں کرتے اور ان کا ذہن و قلب اس غلط ترین خیال سے مسموم ہے کہ "موت" ایک اتنے عظیم پیغمبر کے لیے توہین و تحقیر کا باعث معلوم ہوتی ہے۔

خیر مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا انداز تحریر تو کچھ ادق اور غامض تھا کہ ہم کوتاہ فہموں کے لیے اس حسن ظن کی بھی گنجائش باقی رہ جاتی تھی کہ جو کچھ انہوں نے تحریر فرمایا ہے شاید اس

کا مطلب وہ نہ ہو جو ہم نے سمجھا ہے اور وہ حیات النبی کے باب میں فی الحقیقت وہی مسلک رکھتے ہوں جسے ہم درست سمجھ رہے ہیں

کل کا دیوبند اور آج کا دیوبند

پھر وہ زمانہ بھی اور تھا۔ شرک و بدعت کے خلاف خود مولانا قاسمؒ اور دیگر ہم عصر علماءِ دیوبند آئے دن سرگرمیوں کا مظاہرہ فرماتے رہتے تھے اور "حیات النبی" کے متعلق ایک خاص مسلک رکھنے سے قبوری حضرات کو جو شہ ملنی ممکن تھی اس کا سدباب اور ازالہ ان کی دیگر واضح مصرح اور موکد و مدلل تحریروں اور تقریروں سے پوری طرح ہو رہا تھا لیکن آج جو احوال ہیں وہ بالکل مختلف ہیں۔ آج وہ زبانیں گنگ، وہ انگلیاں مفلوج اور وہ جذبات سرد ہو چکے ہیں جو مولانا اسماعیل شہیدؒ کی طرح اکرام مسلم کے ساتھ اہانت بدعتی اور تردید شرک و بدعت کو بھی منجملہ فرائض قرار دیتے تھے۔ وہ اخلاف حکمت و رواداری کی "ملیّن پالیسی" اختیار فرما چکے ہیں جن کے اسلاف شرک و بدعت کے باب میں رواداری، تلیین، درگذر اور صرفِ نظر کو بزدلی بے حسی، بے عقلی اور دوغلا پن گمان فرماتے تھے۔ اسی لیے آج کہیں اور نہیں خود دیوبند میں۔ اس دیوبند میں جہاں طبلہ و ہارمونیم والی قوالی، صلوٰۃ علی القبر، جمعراتی، جشن قبوری، چادربازی اور دیگر قبوری بدعات کا سایہ تک نہیں ملتا تھا، یہ سب کچھ موجود ہے۔ نہ صرف موجود بلکہ روز افزوں ترقی پر ہے، کیسے نہ ہو۔ ہمارے واعظانِ شیریں بیان کا یہ حال ہے کہ جب وہ کسی ایسے مجمع میں وعظ فرماتے ہیں جہاں اکثریت مبتدعین و مجہولین کی ہو تو ذومعنی اور آرٹسٹک گل افشانیوں کے وہ اعلیٰ نمونے پیش کرتے ہیں کہ توحید پرست بھی واہ واہ کر اٹھیں۔ اور مقبروں کی خاک چاٹنے والوں کا دل بھی گز بھر کا ہو جائے۔ دیوبندی کہیں کہ کوئل "حقاتو" بولی بدعتی کہیں کہ نہیں وہ تو "عبدالقادر" بولی۔

حد ہو گئی۔ اسی عید الفطر کے وعظ میں دیوبند کی عیدگاہ کے لاؤڈ سپیکر سے قبل نمازِ عید قبروں پر جانے کی مسنونیت نشر ہوئی اور ایک خاص حالت، خاص فضا اور خاص معاشرے سے متعلق حدیث کو ٹھیک اس واعظانہ بے قیدی و بے پناہی کے ساتھ استعمال کیا گیا جس کے نقصان دہ اضرار پر ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ اور مجدد الف ثانیؒ جیسے حضرات سر پیٹتے گئے ہیں۔ اور جس کی سطحیت پر سید اسماعیل شہید جیسے اعاظم رجال پناہ مانگ چکے ہیں۔

قبوری ذہن کو ہتھیار

ہندو پاک میں قبر پرستی اور پرستش اولیاء جس قدر زوروں پر ہے آنکھ والوں سے مخفی نہیں ایسے حالات اور ماحول میں جو اہل علم "حیات النبی" کا مسئلہ لے کر بیٹھتے ہیں اور حیات پیغمبر کو بالکل حیات دنیاوی بنا کر اپنی فدائیت رسول اور حب پیغمبر اور تبحر علمی کا مظاہرہ فرمانا چاہتے ہیں۔ وہ صرف وقت کا ضیاع ہی نہیں کرتے بلکہ اسے ایک نہایت افسوسناک نتائج پیدا کرنے والے کام میں صرف کرتے ہیں۔ اور قبوری ذہن کو تصور توحید کے خلاف ہتھیار مہیا فرماتے ہیں۔ اسی لیے آج اس مسئلہ کی حیثیت محض علمی نہیں رہی کہ اس میں ہر نقطہ نظر کو باعتبار اجتہاد حق وثواب مان لیا جائے بلکہ اس کی نوعیت ایک مستقل فتنے کی ہوگئی ہے جس سے دامن بچانا ہر دانش مند کا فرض ہے اسی وجہ سے "رحیق" کے فاضل مضمون نگار نے زحمت تنقید فرمائی ہے اور اس وجہ کا مختصراً اظہار بھی آخر میں کر دیا ہے۔

نفس مسئلہ سے ہٹ کر جہاں تک طرز تحریر اور معیار تنقید کا تعلق ہے تو اگر نفس مسئلہ پر ہم فاضل مضمون نگار سے متفق نہ ہوتے تب بھی برملا یہی کہتے کہ سنجیدہ ومتین اور ٹھوس علمی اختلاف کا جو بہتر سے بہتر معیار ہو سکتا ہے انہوں نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ لہجے سے لے کر الفاظ تک اور دلائل سے لے کر آداب تک انہوں نے پوری شائستگی، بردباری اور نجابت کا ثبوت دیا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ آپ یا کوئی اور ان کے دلائل سے متفق نہ ہو یا دلائل کو سمجھے بوجھے بغیر صرف عقیدتاً اسی خیال پر جما رہے جو اس کے محبوب بزرگوں کا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ان کا اہل حدیث ہونا آپ کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ دے اور اپنے بزرگوں کے ایک مسلک کی علمی تنقید آپ کو جامے سے باہر کر دے۔

یہ کیسی بلید الذہنی ہے کہ ایک طرف تو آپ جماعت اسلامی کی تائید کا ذکر نہایت تحر سے کرتے ہیں دوسری طرف بعض اکابر اسلاف کے ساتھ "لائق صد احترام" کا دم چھلا لگا ہمیں ان کی حمایت پر اس لیے ابھارتے ہیں کہ وہ "ہمارے" ہیں۔ اس طرح کی لغویتیں قوم ووطن کے محور پر گھومنے والی سیاست میں چلتی ہیں لیکن دینی وعلمی مسائل میں اپنا اور پرایا، لائق صد احترام اور لائق صد اہانت کوئی چیز نہیں ہوتی۔ مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور دیوبندی بزرگ سے "ہمارے نسلی اور وطنی کچھ رشتے ہیں تو دینی وعلمی مسائل میں ان رشتوں کی دہائی دینا پرلے درجے کی

تنگ نظری ہے اور مولانا مودودی سے ہمارا نسلی ووطنی کوئی بھی رشتہ اگر نہیں ہے تو اس عدم تعلق کو دینی وعلمی مسائل میں ملحوظ رکھنے کا سبق دینے والا ہمارے نزدیک انتہائی پستی فکر ونظر کا شکار ہے پھر اسی سانس میں آپ اہل حدیث پر بھی علی الاطلاق ایک بھونڈہ فقرہ کس جاتے ہیں یہ کیا گراوٹ ہے۔ ہم بے تنک حنفی ہیں اور یہاں تک غالی کہ اگر کسی فقہی مسلک کے بارے میں ہمیں تحقیق ہو جائے کہ واقعی وہ امام ابوحنیفہ کا ہے اور بعد کے کسی حنفی نے اس میں اپنے اجتہاد وقیاس کو داخل نہیں کیا ہے تو چاہے یہ ہمارے علم وعقل کے بظاہر خلاف ہی ہو مگر ہم اس سے اختلاف کی ہمت نہیں کریں گے کیونکہ ہمارے پاس وہ کافی علم نہیں ہے جو اتنے بڑے عالم ودانا سے اختلاف کرنے کا حق عطا کرتا ہے۔

اہل حدیث پر توہین رسول ؐ کا الزام

"توہین رسول ؐ" کی ایک ہی رہی اہل حدیث اور توہین رسول ؐ؟ دن اور تاریکی؟ آسمان اور پستی؟ ہمیں پہلے ہی اندیشہ تھا کہ دیوبندی علمائے خلف کی اہل بدعت سے نیم برہنہ سانٹھ گانٹھ اور مفاہمت آخر کار دیوبندی مکتبہ فکر میں بھی مبتدعانہ غلو فی العقائد اور متوہمانہ نکتہ سنجی کا زہر پھیلا کے رہے گی۔ وہی ہوا۔ اہل بدعت تو دیوبندیوں پر توہین رسول ؐ اور تحقیر اولیاء کے الزامات عائد کرتے تھے۔ اب دیوبندی مسلک کے لوگ اہل حدیث اور مولانا مودودی وغیرہ پر یہی ہوائی تیر چلا رہے ہیں۔ بندہ رب! رحیق والے مضمون میں تو توہین رسول ؐ کا شائبہ تک نہیں جو خوردبین چیونٹی کو ہاتھی بنا کر دکھاتی ہو، وہ بھی اس مضمون میں توہین رسول ؐ کا حبہ نہیں دکھا سکتی یہ الگ بات ہے کہ جسطرح قبوری حضرات نے اپنے اہل قبور کے لیے رنگ برنگے عقائد گھڑ لیے ہیں۔ طرح طرح کی دوراز کار اور بے اصل صفات اولیاء مرحومین کے لیے تصنیف فرمالی ہیں اور ان خود ساختہ عقائد وصفات کی تردید کو وہ توہین اولیاء قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باب میں کچھ طبع زاد تصورات کو حقائق مان لیا ہو اور ان سے بدلائل اختلاف کرنے والوں کو مرتکب توہین قرار دینے لگیں۔

مولانا محمد اسماعیل کا درست تجزیہ

سچ لکھا ہے رحیق کے مضمون نگار جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب نے" بعض

دیوبندی علماء بھی بریلوی علم کلام کے بڑا حصے سے موقعہ بموقعہ کام لیتے رہتے ہیں" بلکہ ہم تو یہاں تک شہادت دیں گے یہ علم کلام گاہے گاہے جامہ عمل بھی پہن لیتا ہے۔ مثلاً یہاں ایسے بھی" علمائے کرام " موجود ہیں جو شاہ ولایت صاحب کے مزار پر جاتے ہیں اور واپس آکر دوست احباب سے یہاں تک فرماتے ہیں کہ آج مجھے شاہ ولایت صاحب نے ڈانٹا کہ اتنے دنوں سے کہاں تھا اور آج سینے سے لگالیا، اور آج فلاں مشورہ دیا۔ یہاں ایسے بھی" عاشقان اولیاء" علماء ہی کے دائرے میں موجود ہیں کہ اگر آپ ان سے کہیں گے۔ مولانا! یہ جو آپ نے درمیان کی دیوار ڈھاکر دو کوٹھریوں کا ایک کمرہ بنا دیا تو بہت ہی اچھا کیا تو وہ جواب دیں گے جی ہاں! حضرت مولانا........ رحمۃ اللہ علیہ کی برکت ہے جو کام بھی کرتا ہوں ماشاءاللہ ان کی توجہ سے پسندیدہ و مرغوب ہوتا ہے۔ حالانکہ کسی اور وقت میں جب موڈ ذرا بدلا ہوا ہو آپ انہیں کی زبانی یہ بھی سنیں گے کہ مولانا صاحب! بڑی ہی پریشانی ہے۔ تنخواہ میں گذارا نہیں ہوتا۔ فلاں یوں کیا تھا یوں بگڑ گیا۔ فلاں ترکیب یوں سوجھی تھی اوراوندھی ہوگئی۔ اب اگر آپ یاد دلائیں کہ مولانا وہ برکت و توجہ کہاں گئی جس کا آپ نے تذکرہ فرمایا تھا تو وہ سوختہ و بریاں جواب ملے گا کہ قادیانی علم کلام بھی پانی بھرتا رہ جائے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بدعت کا کوئی وطن نہیں، نہ وہ کوئی لمٹیڈ یا رجسٹرڈ کاروبار ہے۔ ضروری نہیں کہ ایک دیوبندی عالم جو کچھ کہے اور کرے اس کا بدعت ہونا ناممکن قرار دیا جائے اور اہلِ حدیث حضرات اگر علمائے دیوبند سے کسی مسئلہ میں اختلاف رکھتے ہوں تو لازماً علمائے دیوبند ہی حق پر ہوں۔ آخرت کا اگر خیال ہے تو گروہی اور وطنی عصبیتوں کو بالائے طاق رکھ کر اسلام اور بندگانِ اسلام کی صلاح و فلاح کے لیے وسعتِ نظر اور حلم و برداشت کی راہ پر آیئے ورنہ قبرِ اقبال سے وہی آواز آئے گی کہ

؏ تمہاری داستاں تک بھی، نہ ہو گی داستانوں میں

(تجلّی دیوبند ص ۲۴ تا ص ۴۶ بابت جولائی و اگست ۱۹۵۸ء)

تنبیہات

اس کتاب میں کچھ افراد کا بطور مصلحین ذکر کیا گیا حالانکہ وہ مفسدین میں سے تھے جن کا سلفی علماء نے رد فرمایا ہے جیسے جمال الدین افغانی ان کے تلمیذ سید محمد عبدہ، پھر سید رشید رضا اور دیگر انہی کے طرز کے مفکرین جو عقل پرست، فلاسفہ، علم الکلام و منطق کے حاملین گمراہ کن نظریات کی ترویج کیا کرتے تھے۔ جن کے ردود ہماری ویب سائٹ اصلی اہل سنت کے مختلف مضامین میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّاب